# اول الاعمال

(توبہ سب سے پہلا عمل ہے)


| نمبر شمار | عنوانات | صفحہ |
|---|---|---|
| ۱ | تمہید | ۸ |
| ۲ | پابندِ احکام کی چار قسمیں ہیں | ۹ |
| ۳ | مؤمن اور کافر کی حالت کا تقابل | ۱۰ |
| ۴ | مؤمن کی دوزخ سے نجات | ۱۱ |
| ۵ | ضعیف الایمان کا حال | ۱۱ |
| ۶ | حدیثِ شفاعت میں ایک لطیف تحقیق | ۱۲ |
| ۷ | کافر ہمیشہ دوزخ میں رہے گا | ۱۲ |
| ۸ | انبیاء علیہم السلام کو بھی علم نہ ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں | ۱۳ |
| ۹ | مؤمن کی تحقیر سے بچو | ۱۳ |
| ۱۰ | تقدس پر ناز | ۱۴ |
| ۱۱ | دوسرے کے عیب اور اپنی خوبی کی مثال | ۱۴ |
| ۱۲ | کافر کا حال | ۱۵ |
| ۱۳ | کافر کی عدم نجات کی وجہ | ۱۵ |
| ۱۴ | منکر رسالت منکر توحید ہے | ۱۸ |
| ۱۵ | قرآن کے کلام اللہ ہونے کی دلیل | ۱۹ |
| ۱۶ | ایک طالب علم کی شہزادی سے نکاح کی خواہش | ۲۰ |
| ۱۷ | مکلفین کی دوسری قسم | ۲۱ |
| ۱۸ | ﴿فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً﴾ سے ترقی دنیا ثابت کرنے کا جواب | ۲۱ |
| ۱۹ | انگریزی پڑھنے کی ممانعت نہیں | ۲۲ |
| ۲۰ | آج کل ہر چیز کو قرآن سے ثابت کیا جاتا ہے | ۲۳ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۱ | قرآن میں ہر چیز تلاش کرنے کی مثال | ۲۳ |
| ۲۲ | جمیع العلم فی القرآن کا جواب | ۲۴ |
| ۲۳ | ادلۂ شرعیہ | ۲۵ |
| ۲۴ | غیر محقق جواب | ۲۶ |
| ۲۵ | انگریزی پڑھنے کی شرط | ۲۷ |
| ۲۶ | ﴿فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً﴾ کے معنی | ۲۷ |
| ۲۷ | ترقی متعارف کی نفی | ۲۸ |
| ۲۸ | مکلفین کی تیسری قسم | ۲۹ |
| ۲۹ | مکلفین کی چوتھی قسم | ۳۰ |
| ۳۰ | مراتب ایمان وکفر | ۳۲ |
| ۳۱ | قرآن کی ترتیب بلیغ | ۳۳ |
| ۳۲ | درجات ایمان | ۳۳ |
| ۳۳ | نفسِ ایمان اور کمال ایمان میں فرق | ۳۴ |
| ۳۴ | درجات اعمال | ۳۴ |
| ۳۵ | اشکال کا جواب | ۳۵ |
| ۳۶ | ثبوت ترتیب اعمال | ۳۵ |
| ۳۷ | شبہ کا جواب | ۳۶ |
| ۳۸ | طاعت بلا توبہ سے انشراح نہیں ہوتا | ۳۶ |
| ۳۹ | گناہ کا خاصہ | ۳۷ |
| ۴۰ | توبہ اول الاعمال ہے | ۳۸ |
| ۴۱ | شبہ کا جواب | ۳۹ |
| ۴۲ | دوسرے شبہ کا جواب | ۴۰ |
| ۴۳ | توبہ کے اول الاعمال ہونے کا مطلب | ۴۰ |
| ۴۴ | بغیر توبہ نیک عمل کرنے کی مثال | ۴۱ |
| ۴۵ | بلا توبہ کے عمل کو قبول ہو مگر نورانیت نہیں ہوتی | ۴۱ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۶ | شبہ کا جواب | ۴۲ |
| ۴۷ | ارتکاب کبیرہ سے کفر نہ لازم آنے کا ثبوت | ۴۲ |
| ۴۸ | حدیث کی بلاغت | ۴۳ |
| ۴۹ | خوارج اور معتزلہ کا رد | ۴۳ |
| ۵۰ | کمال ایمان معصیت کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا | ۴۴ |
| ۵۱ | ذکر ریائی | ۴۴ |
| ۵۲ | اعمال صالحہ کی مثال | ۴۵ |
| ۵۳ | کمال عمل کا ضیاع | ۴۵ |
| ۵۴ | شبہ کا جواب | ۴۶ |
| ۵۵ | ''من واذی'' سے عمل ضائع ہونے کی وجہ | ۴۶ |
| ۵۶ | گناہوں میں باہم فرق | ۴۷ |
| ۵۷ | اعمال میں بے ترتیبی کی مثال | ۴۸ |
| ۵۸ | نماز میں حلاوت | ۴۹ |
| ۵۹ | ہمارے اعمال کی مثال | ۴۹ |
| ۶۰ | توبہ بنیاد اعمال ہے | ۵۰ |
| ۶۱ | توبہ سے محرومی کا سبب | ۵۰ |
| ۶۲ | توبہ کا قانون | ۵۱ |
| ۶۳ | حق تعالیٰ کا بندے پر رحم | ۵۲ |
| ۶۴ | حق تعالیٰ کے افعال اختیاری ہیں | ۵۲ |
| ۶۵ | حق تعالیٰ زیادتی دعا کو پسند کرتے ہیں | ۵۳ |
| ۶۶ | اولیاء کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو | ۵۴ |
| ۶۷ | توبہ کا طریقہ | ۵۴ |
| ۶۸ | توبہ کے بارے میں اللہ کا اعلان | ۵۵ |
| ۶۹ | مسئلہ تعلیم نسواں | ۵۶ |
| ۷۰ | قرآن کے مکاتیب میں جدید تعلیم کا نقصان | ۵۷ |

| | | |
|---|---|---|
| ۷۱ | الفاظ لکھنے بولنے میں احتیاط لازم ہے | ۵۷ |
| ۷۲ | دو کتابوں پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ | ۵۸ |
| ۷۳ | حق تعالیٰ کسی بات سے تنگ نہیں ہوتے | ۵۹ |
| ۷۴ | عظیم کوتاہی | ۶۰ |
| ۷۵ | گناہوں کا نقصان | ۶۰ |
| ۷۶ | نیکی کا فائدہ | ۶۱ |
| ۷۷ | گناہوں کے اثر کا احساس | ۶۲ |
| ۷۸ | مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا حال | ۶۲ |
| ۷۹ | آدابِ دعا | ۶۳ |
| ۸۰ | گناہ کا وبال اور توبہ کا اثر | ۶۴ |
| ۸۱ | بغیر توبہ اعمال میں برکت نہیں ہوتی | ۶۵ |
| ۸۲ | توبہ کا اہتمام | ۶۶ |
| ۸۳ | نفس کی نگرانی کی ضرورت ہے | ۶۶ |
| ۸۴ | توبہ کی اجازت کی قدر کیجئے | ۶۶ |
| ۸۵ | توبہ کا طریقہ | ۶۷ |
| ۸۶ | گناہ اور توبہ کی اقسام | ۶۷ |
| ۸۷ | قرض کے بعض احکام | ۶۸ |
| ۸۸ | حقوق العباد کی معافی کی صورت | ۶۸ |
| ۸۹ | غیر مالی حقوق العباد کی معافی کی صورت | ۶۹ |
| ۹۰ | حقوق اللہ کی معافی کی صورت | ۶۹ |
| ۹۱ | نماز روزہ کا فدیہ | ۷۰ |
| ۹۲ | کفارۂ غیبت | ۷۰ |
| ۹۳ | معاصی لاعلاج نہیں | ۷۰ |
| ۹۴ | ابقاءِ توبہ کی تدبیر | ۷۱ |
| ۹۵ | مراقبہ عذاب | ۷۱ |

وعظ

# اول الاعمال

## (توبہ سب سے پہلا عمل ہے)

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے یہ وعظ جناب شیخ فیاض محمد صاحب سوداگر کی کوٹھی کرنیل گنج کانپور میں ۱۹ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ بمطابق ۳۰ جنوری ۱۹۱۸ء شب چہارشنبہ کو دو گھنٹے تک چوکی پر کھڑے ہوکر ارشاد فرمایا۔

مضمون تھا کہ توبہ اول عمل ہے۔ اس کے اہتمام اور طریقے کو تفصیل سے بیان کیا گیا۔

مولانا محمد مصطفی بجنوری مقیم میرٹھ نے قلمبند فرمایا۔

سامعین میں تقریباً تین ہزار مرد اور عورتیں اس کے علاوہ تھیں۔ ہر طبقہ کے لئے انتہائی مفید ہے۔

خلیل احمد تھانوی

۱۶/جنوری ۲۰۱۱ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

## خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و بارک وسلم **اما بعد:**

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

فَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الآخِرَةِ مِنْ خَلاَقٍ (200)وَمِنْهُم مَّن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (201)أُولَـئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُواْ وَاللّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ (202) وَاذْكُرُواْ اللّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ فَمَن تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلاَ إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَن تَأَخَّرَ فَلا إِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقَى وَاتَّقُواْ اللّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ (203)وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّهَ عَلَى مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ (204)وَإِذَا تَوَلَّى سَعَى فِي الأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّهُ لاَ يُحِبُّ الفَسَادَ (205)وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ (206)وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاء مَرْضَاتِ اللّهِ وَاللّهُ

رَؤُوفٌ بِالْعِبَادِ (207)يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ (۱)

تمہید

یہ چند آیتیں جو اس وقت پڑھی گئیں مجھ کو ان کے مدلول لفظی سے ایک مدعا کا مستنبط کرنا اصل مقصود ہے (۲) اولاً اس مدلول کو سمجھنا چاہیئے۔ پھر اس مستنبط

(۱) ''سو بعضے آدمی ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو دنیا میں دے دیجئے اور ایسے شخص کو آخرت میں کوئی حصہ نہ ملے گا۔ اور بعضے آدمی ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو دنیا میں بھی بہتری عنایت کیجئے اور آخرت میں بھی بہتری دیجئے اور ہم کو عذاب دوزخ سے بچائیے ایسے لوگوں کو بڑا حصہ ملے گا ان کے اس عمل کی بدولت اور اللہ تعالیٰ جلدی ہی حساب لینے والے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کئی روز تک پھر جو شخص دو دن میں تعجیل کرے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اور جو شخص دو دن میں تاخیر کرے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اس شخص کے واسطے جو ڈرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ اور خوب یقین رکھو کہ تم سب کو خدا ہی کے پاس جمع ہونا ہے اور بعضا آدمی ایسا بھی ہے کہ آپ کو اُس کی گفتگو جو محض دنیوی غرض سے ہوتی ہے مزیدار معلوم ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر بتاتا ہے اپنے مافی الضمیر پر حالانکہ وہ مخالفت میں شدید ہے۔ اور جب پیٹھ پھیرتا ہے تو اس دوڑ دھوپ میں پھرتا رہتا ہے کہ شہر میں فساد کرے اور کھیت اور مواشی کو تلف کردے اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں فرماتے۔ اور جب اس سے کوئی کہتا ہے کہ خدا کا تو خوف کر تو نخوت اس کو اس گناہ پر آمادہ کردیتی ہے سو ایسے شخص کی کافی سزا جہنم ہے اور وہ بُری ہی آرام گاہ ہے اور بعضا آدمی ایسا بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں اپنی جان تک صرف کر ڈالتا ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کے حال پر نہایت مہربان ہیں۔ اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو اور شیطان کے قدم بقدم مت چلو واقعی وہ تمہارا کھلا دشمن ہے'' سورۂ بقرہ: ۲۰۰ تا ۲۰۸ (۲) ان آیات کے الفاظ سے مسئلہ نکال کر بیان کرنے کا ارادہ ہے۔

کو (۱) اور اس مدلول کی تقریر میں بھی ان آیات کے جمیع اجزا کی تفسیر مقصود نہیں (۲) بلکہ ان کے مجموعہ میں ایک خاص مضمون مذکور ہے جو مدلول لفظی ہے ان آیات کا (۳) اس کو بیان کرنا ہے اور وہ مضمون بلا ان تمام آیتوں کے پڑھے پورا نہیں ہوتا اس واسطے یہ سب آیتیں پڑھی گئیں۔ وہ مضمون اس مجموعہ آیات میں سے بعض اجزا میں مقصوداً مذکور ہے اور دیگر اجزا اس کے متعلق ہیں۔ اس وقت ان متعلقات کا بیان مقصود نہیں ہے۔ اس وقت اولاً صرف انہی اجزاء کے متعلق کچھ عرض کروں گا جن میں وہ مضمون مقصوداً مذکور ہے ثانیاً اول سے اُس مدعا کو مستنبط کروں گا۔ (۴)

## پابندِ احکام کی چار قسمیں ہیں

اور وہ مضمون مدلول ایک خاص تقسیم ہے جو اللہ تعالیٰ نے مومن اور کافر کے اعتبار سے فرمائی ہے۔ اور اصل تقسیم یوں ہے کہ مکلّف کی دو قسم ہیں مومن اور کافر اور ان میں سے ہر ایک دو دو قسم پر ہے تو چار قسمیں ہوئیں۔

خلاصہ یہ کہ ایمان اور کفر کے اعتبار سے مکلّف کی چار قسمیں ہیں (۵)۔ یہ مضمون ان آیات کے بعض اجزا میں مذکور ہے جہاں جہاں لفظ ﴿مِنْ﴾ ہے وہاں ایک ایک قسم ہے۔ آیت میں تین جگہ ﴿مِنْ﴾ ہے اور ایک جگہ ﴿مِنْهُمْ﴾ ہے اس کا حاصل بھی یہی ہے۔ کہیں ﴿مِنْ﴾ مظہر پر داخل ہے اور کہیں مضمر پر (۶) اور معنی

---

(۱) اس سے ماخوذ مسئلہ کو (۲) اور قرآن کے الفاظ کی ان پر دلالت کرنے میں بھی تمام آیات کی تفسیر مقصود نہیں ہے (۳) ان تمام آیات میں ایک خاص مضمون بیان کیا گیا ہے جس پر ان آیات کے الفاظ دلالت کرتے ہیں (۴) ان آیات میں سے صرف ان آیات کو بیان کرونگا جن میں وہ مقصود ذکر کیا گیا ہے اور پھر سب سے پہلے اپنے اس دعوے کو مستنبط کرونگا (۵) جو لوگ احکام الٰہی کے پابند ہیں ان کی چار قسمیں ہیں (۶) کہیں حرف ﴿مِنْ﴾ اسم ظاہر پر داخل کیا گیا اور کہیں اسم ضمیر پر۔

﴿مِنَ النَّاسِ﴾ اور ﴿مِنهُمْ﴾(۱) کے ایک ہی ہیں، غرض چار قسمیں کی گئی ہیں (۲)مقسم وہی مکلّف ہے باعتبار ایمان اور کفر کے۔ تقسیم اول یہ ہے کہ مکلّف یا مومن ہے یا کافر اور دونوں کی دو دو قسمیں ہیں۔ تو کل قسمیں یہ ہوئیں مطلق مومن اور مطلق کافر اور مومن کامل اور کافر شدید، اول مطلق مومن اور مطلق کافر کا بیان ہے۔ اور ان دونوں میں سے مقدم ہے کافر کا بیان اور اس کے بعد بطورِ مقابلہ مومن کا بیان ہے۔ مطلق کافر کا بیان یہ ہے: ﴿فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا﴾ یعنی ایک قسم ان میں سے وہ لوگ ہیں جو صرف دنیا کے طالب ہیں ان کی نسبت ارشاد ہے: ﴿مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ﴾ آخرت میں اُن کا کچھ بھی حصہ نہیں یہاں نکرہ ہے بعد نفی کے جس سے یہ معنی پیدا ہوتے ہیں کہ ذرا بھی حصہ ان کے واسطے آخرت میں نہیں ہوگا اس میں کافر کی ایک حالت تو دنیا کی بیان ہوئی۔ اور ایک آخرت کی جو کہ دنیاوی حالت پر بطورِ نتیجہ متفرع ہے۔

## مومن اور کافر کی حالت کا تقابل

اور مومن کا ذکر گو آگے صریح آتا ہے مگر اتنی بات یہیں سے معلوم ہوسکتی ہے کہ جب مومن کافر کا مقابل ہے تو اس کی دنیاوی حالت اس کے دنیاوی حالت کے مقابل ہوگی اور اخروی اُس کی اخروی کے مقابل ہوگی، یعنی مطلق مومن کی شان یہ ہوگی خواہ وہ فاسق و فاجر ہی کیوں نہ ہو کہ نہ تو وہ دنیا میں محض دنیا کا طالب ہوگا اور نہ آخرت میں اس کے واسطے: ﴿مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ﴾ ہوگا۔(۳)

---

(۱)''لوگوں میں سے''اور''ان میں سے'' کا مطلب ایک ہی ہے۔(۲) ایمان اور کفر کے اعتبار سے پابند احکام کی چار قسمیں کی گئی ہیں (۳) ایسا نہیں کہ آخرت میں اس کے لئے کوئی بھی حصہ نہ ہو۔

یعنی ہر مومن کی نجات ضرور ہے گو اخیر میں ہو اور اولاً جزا وسزا اعمال کی بھگتنی پڑے گی۔

## مومن کی دوزخ سے نجات

چنانچہ حدیث میں اس معنی کی تصریح موجود ہے: ((لَا یَبْقٰی فِی النَّارِ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ مِّنْ اِیْمَان)) (۱) کہ دوزخ میں کوئی وہ شخص نہیں رہے گا جس میں ایمان ہو۔ دوزخ اس کے رہنے کا مکان نہیں ہے مکان اصلی اس کا جنت ہے مگر بعارض دوزخ میں آ گیا ہے (۲) غرض جس کے دل میں ذرا سا بھی ایمان ہے جس کی وجہ سے اس کو کافر نہ کہہ سکیں اس کے واسطے بھی جنت ثابت ہے۔ اور ''خُلُود فِی النَّار'' (۳) نہ ہوگا۔ اور کبھی نہ کبھی دوزخ سے نکال لیا جاوے گا۔

## ضعیف الایمان کا حال

حتی کہ اسقدر ضعیف اور قلیل الایمان شخص بھی جس کے دل میں اسقدر تھوڑا حصہ ایمان کا ہوگا جس کا پتہ انبیاء اور ملائکہ کو بھی نہ لگے گا۔ اور اس کی اطلاع فقط اللہ تعالیٰ کو ہوگی۔ وہ بھی نکال لیا جاوے گا۔ چنانچہ ایک حدیث ہے جو شفاعت کے بارے میں وارد ہے (۴) جس کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ اخیر میں فرمائیں گے کہ سب لوگ شفاعت کر چکے انبیاء بھی اور ملائکہ بھی اور مومنین بھی اور جس جس کو شفاعت کا حق تھا سب کر چکے یہ لفظ ہے حدیث کا کہ ((بَقِیَ اَرْحَمُ الرَّحِمِیْنَ)) یعنی اب شفاعت حق تعالیٰ کی باقی رہی اس کو شفاعت مجازاً فرمایا۔

(۱) سنن ابن ماجہ: ۵۹ (۲) عارضی طور پر کسی گناہ کی وجہ سے دوزخ میں آ گیا (۳) ہمیشہ کے لئے دوزخ میں نہیں رہیگا (۴) سفارش کے بارے میں آئی ہے۔

## حدیث شفاعت میں ایک لطیف تحقیق

دراصل یہ تو رحمت ہے کیونکہ حق تعالیٰ کو کسی دوسرے سے سفارش کرنا نہیں ہے، یہ فرما کر ایک لپ بھر کر (۱) دوزخیوں کی جنت میں داخل کردیں گے یہ لپ بھر کنایہ ہے تعداد کثیر سے۔ اس حدیث میں غور کرنا یہ ہے کہ تھوڑے تامل سے بخوبی واضح ہوسکتا ہے کہ اس سے میرے اس دعوے کا اثبات ہوتا ہے (۲) کہ بعض لوگوں کے قلب میں اتنا خفیف ایمان ہوگا جس کا پتہ کسی شفاعت کرنے والے کو حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ کو بھی نہ چلے گا اور ان کو بھی نجات ہوگی۔

## کافر ہمیشہ دوزخ میں رہے گا

یہ بات ذرا غامض معلوم ہوتی ہے (۳) مگر تھوڑی تقریر کے بعد غامض نہ رہے گی وہ تقریر یہ ہے کہ نص قطعی موجود ہے اس پر کہ کافر کی کبھی مغفرت نہ ہوگی چنانچہ سورۂ بینہ میں ہے: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ وَالْمُشْرِکِیْنَ فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا﴾ (۴) اور اس مضمون کی آیتیں صدہا قرآن شریف میں موجود ہیں چنانچہ عقیدہ اہل سنت کا یہی ہے کہ کافر کے لئے ''خلود فی النار'' ضرور ہوگا (۵)۔ اور اس کی کبھی مغفرت نہ ہوگی۔ تو اب یہ لوگ جن کو حق تعالیٰ نے اخیر میں دوزخ سے نکالا وہ اس دلیل سے مؤمن تو ضرور ہیں تو اب دیکھنا یہ ہے کہ کسی نے ان کی سفارش کیوں نہیں کی کیونکہ مومنین کے لئے سفارش کی اجازت ہوچکی۔

---

(۱) دونوں ہاتھ بھر کر جیسے ہاتھ اللہ کی شان کے لائق ہیں (۲) میرا دعویٰ ثابت ہوتا ہے (۳) مشکل معلوم ہوتی ہے (۴) ''جو لوگ اہل کتاب اور مشرکوں میں سے کافر ہوئے وہ آتشِ دوزخ میں جاویں گے جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے'' سورۂ بینہ:۶ (۵) کافر ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

## انبیاء علیہم السلام کو بھی علم نہ ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں

اس کی وجہ اگر ہوسکتی ہے تو یہی کہ یہ لوگ اس قدر ضعیف الایمان ہونگے کہ کسی کو ان کے ایمان کا احساس نہ ہوسکے گا باوجودیکہ سب حدید البصر ہیں (۱) مومن کے لئے حدیث میں وارد ہے: ((اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ)) (۲) یعنی مومن کے تاڑ لینے سے ڈرو کیونکہ وہ نورِ خدا سے دیکھتا ہے جب مومن کی نظر دنیا میں ایسی تیز ہے تو آخرت میں جو کہ عالم ہے کشف حقائق کا (۳) کیسی ہوگی پھر جب مومن کی یہ نظر ہے تو انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ کی نسبت کیا خیال ہوسکتا ہے مگر اس پر بھی اُن لوگوں کا ایمان ایسے اہل نظر سے بھی مخفی رہا (۴) اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ کسی چیز کا علم دینا حق تعالیٰ کے اختیار میں ہے، دنیا کا ہو یا آخرت کا۔ مومن کو بھی تو فراست حق تعالیٰ ہی نے دی ہے۔ اس قصہ میں حق تعالیٰ نے ان کے ایمان کو مخفی رکھا (۵)۔ اگر چاہتے تو یہ بھی ظاہر کردیتے مگر اپنی رحمتِ خاص دکھلانے کے لئے ایسا کیا۔

غرض یہ ثابت ہوا کہ بعضوں کا ایمان اتنا خفیف ہوگا کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی پتہ نہ چل سکے گا اس واسطے وہ شفاعت بھی نہ کریں گے۔

## مومن کی تحقیر سے بچو

اس سے معلوم ہوا کہ اگر اتنا ضعیف ایمان بھی ہو کہ ایسے حقیقت شناسوں کو بھی پتہ نہ لگے گا تب بھی بخشش ہوجاوے گی یہ مومن کی اخروی حالت کا مقابلہ ہے کافر کی اخروی حالت سے، اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مومن کو خواہ کسی درجہ کا ہو حقیر نہ سمجھو خواہ وہ کیسے ہی گناہوں میں مبتلا کیوں نہ ہو ہاں اس کے

(۱) سب کی نظر بہت تیز ہے (۲) السنن للترمذی: ۳۱۲۷ (۳) جہاں سب چیزوں کی حقیقت کھل جائے گی (۴) ایسی تیز نظر والوں سے بھی پوشیدہ رہا (۵) پوشیدہ۔

افعال کو بُرا سمجھو۔

## تقدس پر ناز

بعضوں کو تقدس کا ہیضہ ہوجاتا ہے کہ چار نفلیں پڑھیں اور اپنے آپ کو بزرگ سمجھنے لگے اور دوسروں کو حقیر، کسی کو نظر ہی میں نہیں لاتے اور اگر ذرا سا عیب کسی میں دیکھتے ہیں تو اس پر طعن کرنے لگتے ہیں اپنا ذرا سا ہنر بڑا معلوم ہوتا ہے اور دوسروں کا ذرا سا عیب بہت بڑا عیب دکھائی دیتا ہے حالانکہ چاہیئے اسکا عکس کہ دوسروں کے تو ہنر کو دیکھے اور اپنے عیب کو۔

## دوسرے کے عیب اور اپنی خوبی کی مثال

اگر دوسرے مومن میں کوئی عیب ہے تو اس کی مثال ایسی سمجھو جیسے ایک حسین شخص ہے کہ اس کا منہ کالا کیا ہوا ہے وہ حقیقت میں تو حسین ہے اور بدصورتی عارضی ہے جس کی نظر صحیح ہوگی وہ دونوں حالتوں کو الگ پہچان لے گا اور اس عارضی بدصورتی کی وجہ سے اس کو حسین ہونے سے خارج نہ کرے گا اور یوں سمجھ لے گا کہ یہ وہی حسین ہے لیکن حماقت سے اس نے منہ کالا کرلیا ہے اور بمقابلہ اس کے اگر اپنے اندر لاکھ ہنر ہوں اور بہت سے اوصاف حمیدہ رکھتا ہو تو اپنی ایسی مثال سمجھے کہ درحقیقت تو یہ کالا کلوٹہ ہے مگر اس نے پاؤڈر مل رکھا ہے اگر دونوں کو دھویا جائے تو دونوں کی حالت برعکس ہوجائے(۱) تو صاحبِ نظر نے سیاہی کو بدصورت سمجھا نہ کہ اس حسین کو، اسی طرح مومن حسین ہے اور گناہ کالک، اگر اس کالک کو توبہ سے دھوئے تو اچھا خاصا خوبصورت نکل آوے گا اور اپنی نسبت یہ سمجھے کہ ممکن ہے کہ ہماری

(۱) ایک دوسرے کے برخلاف ہوجائیگی۔

طینت ہی خراب ہو(۱) اور پاؤڈر تقویٰ کا مَل رکھا ہو اور جو کچھ حالت اچھی نظر آتی ہے وہ سب تصنع اور تلبیس ہو (۲) اس واسطے اپنی طرف گمان نیک کرنے میں اور دوسرے کو حقیر سمجھنے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے دوسرے کو کبھی حقیر نہ سمجھے ہر مومن میں شان مقبولیت ہے چنانچہ اس کا ظہور کبھی نہ کبھی ہوگا اور ضعیف سے ضعیف مومن بھی بالآخر دوزخ سے نکال لیا جاوے گا غرض کسی مومن پر: ﴿مَالَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ﴾ صادق نہیں آسکتا۔

## کافر کا حال

یہ شان صرف کافر کی ہے تو کافر کی حالتیں دو ہوئیں دنیا میں یہ کہ وہ فقط طالب دنیا ہو اور آخرت میں یہ کہ: ﴿مَالَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ﴾ کا مصداق ہو اب سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ اُس جزو آیت میں یعنی: ﴿فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا وَمَالَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ﴾ میں مطلق کافر کا ذکر ہے اور اس کے درجات کا بیان نہیں کیونکہ ضعیف سے ضعیف کفر کا بھی یہ حکم مشترک ہے کہ ﴿مَالَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ﴾ یعنی آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہرگز اس کی نجات نہیں ہوسکتی۔

## کافر کی عدمِ نجات کی وجہ

اور راز اس میں یہ ہے کہ کفر اپنی حقیقت کے اعتبار سے اس درجہ قبیح ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے کوئی خوبی موثر نہیں کہ اس پر کوئی آخرت میں اس کو ملتا، اور وہ حقیقت بغاوت ہے جس کا یہ اثر مسلّم ہے پس یہاں سے ایک اور مسئلہ بھی حل ہوگیا خصوص ایسے لوگوں کے مذاق پر تو بالکل صاف ہوگیا جن کا مذاق یہ ہے۔ اور آجکل

(۱) ہماری اصل ہی خراب ہو (۲) بناوٹ۔

ایسے لوگوں کی تعداد بہت ہے جو کہتے ہیں کہ ہم نظائر سے سمجھتے ہیں ہر بات کو اور اس بنا پر یہ لوگ مدعی عقل کے ہیں اگر اس طرز کی عقل سے کام لیتے تو یہ مسئلہ خود حل ہوجاتا وہ مسئلہ یہ ہے کہ یہ لوگ شبہ کرتے ہیں کہ فرض کرو ایک کافر میں بہت خوبیاں ہیں اور یہ صرف فرضی بات نہیں بلکہ اس کی نظیریں موجود ہیں مثلاً وہ موحد ہے توحید کے متعلق اس کا عقیدہ ٹھیک ہے مگر رسالت کا منکر ہے اور خلیق بھی بہت ہے اور معاملہ کا بھی صاف ہے وغیرہ وغیرہ، اس پر علماء اسلام یہ حکم لگادیتے ہیں کہ جہنم میں جائیگا اور خلود فی النار ہوگا اور کبھی نجات نہ ہوگی، علماء کی نسبت کہتے ہیں کہ بہت متشدد ہیں اتنے اوصاف کو صرف ایک غلطی کی وجہ سے مٹادیا(۱)۔

تقریر اس شبہ کے حل کی یہ ہے کہ اگر کسی بادشاہ سے بغاوت کی تو ظاہر بات ہے کہ وہ بغاوت کرنے والا کوئی معمولی آدمی نہ ہوگا بلکہ کوئی بڑے حوصلہ کا اور اعلیٰ ڈگری یافتہ قابل شخص ہوگا اور بڑا زبان آور ہوگا کہ اپنی تقریر اور تحریر سے ایک مجمع کو اپنا مسخر کیا ہوگا تن تنہا تو ایک شخص اتنا بڑا کام کر ہی نہیں سکتا پھر وہ اتنا بڑا تو قابل ہے اور بہت سے اوصاف کا جامع ہے (۲) اور عیب ہے تو صرف یہ کہ باغی ہے اور فساد کرتا ہے، میں ان عقلاء سے پوچھتا ہوں کہ اس کی سزا کیا ہوگی باتفاق ممبران پارلیمنٹ سزائے موت تجویز ہوگی پارلیمنٹ مجمع عقلاء ہی کا نام ہے تو بالفاظ دیگر یوں کہہ سکتے ہیں کہ تمام عقلاء کے نزدیک سزائے موت ہی کا وہ مستحق قرار دیا جاوے گا مگر اس پر کوئی صاحب یہ اعتراض نہ کریں گے کہ اس شخص میں ایک ذرا سا عیب ہے یعنی بغاوت کی ہے اور ہنر بہت زیادہ ہیں صناع ہے (۳) اور تعلیم یافتہ ہے اور جامع فنون ہے اور خاک بلا ہے کیا وجہ ہے کہ ایک بغاوت سے سب کمالات مٹ گئے، اور خیر

(۱) اتنی خوبیوں کو صرف ایک غلطی کی وجہ سے ختم کردیا (۲) اس میں بہت سی خوبیاں جمع ہیں (۳) مختلف ہنر رکھتا ہے۔

پارلیمنٹ کے فیصلہ پر تو اعتراض کرنے یہ کہاں جائیں گے کوئی ان ہی سے پوچھے کہ ایسے شخص کی سزا کیا ہونی چاہیئے تو یہ معترض صاحب خود بھی یہی کہیں گے کہ ایسے شخص کی یہی سزا ہے، کیوں صاحب بڑے تعجب کی بات ہے کہ دنیا کی گورنمنٹ کو اپنے باغی کے کمالات کو ایک بغاوت کی وجہ سے کالعدم سمجھنے کا اختیار ہو اور خدائے احکم الحاکمین کو نہ ہو، حیرت ہے بلکہ اتنا فرق بھی ہے کہ دنیا میں جو کمالات اس باغی میں تھے وہ عطا کردہ گورنمنٹ نہ تھے پھر بھی حبط کالعدم سمجھ لئے گئے (۱) اور پھر اس کو حق بجانب کہا جاتا ہے اور حق تعالیٰ کے باغی کے کمالات خود حق تعالیٰ ہی کے دیے ہوئے ہیں پھر اس کے مقابلہ میں اس نے اُسی خداداد ذہن اور علم سے کام لیا جس ہانڈی میں کھایا اسی میں چھید کیا کیونکہ حق تعالیٰ کے مقابلہ میں تو بندہ کی یہ شان ہے کہ ؎

نیا ور دم از خانہ چیزے نخست　　تو دادی ہمہ چیز من چیز تست (۲)

سب چیز خدا تعالیٰ کی دی ہوئی اور پھر اسی کے مقابلہ میں صرف کی جاوے جیسے کہ سپاہی کو ہتھیار دیے جائیں اور وہ ان سے اُسی آقا کا مقابلہ کرنے لگے جس نے ہتھیار دیئے تو یہ کس قدر نمک حرامی ہے اور اس صورت میں یہ شخص بدرجہا اس سے زیادہ سزا کا مستحق ہے جو دوسرے کے دیے ہوئے ہتھیاروں سے مقابلہ کرنے لگے، غرض یہ شبہ محض بے اصل ہے کہ کافر کی کسی خوبی کا اعتبار کفر کے ہوتے ہوئے ہوسکتا ہے کافر کے واسطے چاہے وہ تمام اوصاف کا مجموعہ ہو عقلاً یہی

---

(۱) پھر بھی سب بے کار اور نہ ہونے کے برابر ہوگئے (۲) ''میں اپنے گھر سے کوئی چیز نہیں لایا یہ تو سب آپ کا دیا ہوا ہے میری کیا حقیقت ہے''۔

حکم ہونا چاہیئے کہ اس کی سب خوبیاں بے سود ہیں اور نتیجہ یہی ہے کہ: ﴿مَالَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ﴾۔

## منکرِ رسالت منکرِ توحید ہے

بعضے لوگ انکار توحید پر تو اس سزا کے ترتب کو موافق عقل کے سمجھتے ہیں مگر انکارِ رسالت پر شبہ کرتے ہیں کہ مقصود اعتقاد رسالت سے بھی اعتقاد توحید ہی ہے کہ انبیاء اسی واسطے آئے ہیں پس جب مقصود حاصل ہے تو طریق کے انکار سے کیا ضرر پس اصل دین یعنی توحید اسمیں موجود ہے محض ایک رسالت کے متعلق اس کا خیال غلط ہے سو یہ غلطی ایسے شخص کو معاف ہونی چاہیئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ منکرِ توحید کی نسبت تو اس سزا کا استحقاق تم کو بھی مسلّم ہے صرف منکر رسالت کا شبہ ہے سو ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ جو شخص منکر رسالت ہوگا وہ منکرِ توحید بھی ہوگا پس اب منکرِ رسالت کے استحقاق پر بھی شبہ نہ رہا اب صرف انکارِ رسالت کا مستلزم انکارِ توحید ہونے کا اثبات باقی رہا، سو سنیئے کہ توحید کیا چیز ہے صرف ذات ہی کا ماننا نہیں ہے ذات مع الصفات والکمالات کا ماننا ہے (۱) اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کہے فلاں ملک کے بادشاہ کا میں قائل ہوں اور اس کو بادشاہ مانتا ہوں اور جب اس سے پوچھیں کہ وہ ہے کیسا؟ تو کہے کہ ایک عجیب الخلقت حیوان ہے (۲) جس کی آنکھیں گدی پر ہیں اور چار ہاتھ ہیں اور ایک دُم ہے، تو کیا اس کو اس بادشاہ کا قائل کہا جائے گا، درحقیقت تو اس نے نہ معلوم کونسا بندر دیکھ لیا یہی کہا جائیگا کہ یہ شخص بادشاہ کو جانتا ہی نہیں اسی طرح کہا جائیگا کہ خدا کا قائل ہونا وہ معتبر ہے جو مع اس کے جملہ کمالات کے ہو ایک مقدمہ تو یہ ہوا۔

(۱) اللہ کی ذات کو اس کی صفات وکمالات کے ساتھ ماننے کا نام توحید ہے (۲) عجیب قسم کا جانور۔

اور دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ صدق (۱) بھی منجملہ کمالات کے ہے جس کا مقابل کذب (۲) نقص اور عیب ہے تو اگر کوئی خدا کو جھوٹا مانے تو وہ خدا ہی کا منکر ہوگا۔

تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ قرآن میں ارشادِ حق ہے: ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ﴾ (۳) تو اب رسالت کا انکار صدقِ خدا کا انکار اور صدقِ خدا کا انکار خود خدا کا انکار ہے اور یہی مدعا تھا۔

## قرآن کے کلام اللہ ہونے کی دلیل

اب صرف یہ بات رہ گئی کہ: ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ﴾ جس قرآن میں ہے کیا وہ قرآن کلامِ حق ہے؟

سو اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ اگر اس کے کلام اللہ ہونے میں شبہ ہو تو اپنے موقع پر اس کے دلائل عقلیہ موجود ہیں مثلاً: ﴿فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ﴾ (۴) یہ دعویٰ عرب جیسی جوشیلی اور غیور قوم کے سامنے کیا گیا تھا اور اس کے ساتھ یہ بھی کہہ دیا گیا تھا کہ ہرگز ایسا نہ کرسکو گے پھر اگر ایسا نہ کرسکو گے اور ایمان نہ لاؤ گے تو اس وعید کو سن رکھنا: ﴿فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَ قُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ (۵) کوئی ادنیٰ غیرت والا بھی مخالف کے منہ سے یہ تہدیدیں سن نہیں سکتا (۶) مثلاً ایک خوشنویس بہت سے خوشنویس کے مجمع میں ایک لوح (۷) لکھ کر ڈال دے اور دعویٰ کرے کہ کوئی ایسا لکھ نہیں سکتا تو اس وقت اس مجمع کا غیرت سے کیا حال ہوگا ان میں سے کوئی شخص بھی تا بہ امکان اپنی قوت کو اٹھا نہ رکھے گا اور ضرور لکھ کر دکھلائے گا (۸) خاص کر جبکہ اس نے یہ بھی کہہ دیا ہو کہ

(۱) سچائی (۲) جھوٹ (۳) ''محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں'' سورہ فتح:۲۹ (۴) ''اچھا تو لے آؤ (بنا کر) ایک سورت اس جیسی'' سورۂ بقرہ: ۲۳ (۵) ''ڈرا بچتے رہو دوزخ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں'' سورۂ بقرہ:۲۴ (۶) کسی مخالف کے منہ سے اس قسم کی دھمکیاں نہیں سن سکتا (۷) تختی (۸) اپنی استطاعت کے مطابق اپنی قوت کو صرف کرے گا اور لکھ کر دکھادے گا۔

اگر نہ لکھ گیا تو سب کو غلامی کا طوق پہننا پڑیگا، اگر اس صورت میں نہ لکھ سکیں تو ضرور یہ بات مان لینے کی ہوگی کہ سب عاجز ہیں۔ ایسے ہی قرآن شریف میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ اس کی مثل کوئی بنا نہیں سکتا اور پھر نہ بنا تو اب قرآن شریف کے معجز ہونے میں کیا کلام رہا اور اگر کوئی کہے فصحائے عرب میں اس کا مثل بنانے کی قدرت تو تھی مگر بنایا نہیں، ہم کہیں گے کہ قدرت اور کون سے موقع کے لئے ہے جب ایسی تہدیدوں(۱) کے سامنے بھی اس سے کام نہ لیا گیا تو یہ صاف دلیل قدرت کے نہ ہونے ہی کی ہے اور یہ دعویٰ ایسے وقت کیا گیا جبکہ اکیلے حضور ﷺ ایک طرف تھے اور تمام عرب ایک طرف تھا اور پھر قیامت تک کے لئے دعویٰ گیا گیا: ﴿لَنْ تَفْعَلُوْا﴾ میں کیونکہ ﴿لَنْ تَفْعَلُوْ﴾ صیغہ استقبال مؤبد کا ہے(۲) جس کی کوئی حد نہیں بیان کی گئی اس کا ترجمہ یہ ہوا کہ قیامت تک بھی تم نہیں کرسکو گے یہ بات عرب کے لئے ایسی تھی کہ جان دے دینا اس کے مقابلہ میں سہل تھا جاہلیت کے قصے دیکھئے کہ بات کی پچ میں قبیلے کے قبیلے کٹ مرے اور صدیوں تک میل نہ ہوا، پھر کیسے یہ بات مان لی جائے کہ ایسے غیرت دلانے والے لفظ کے بعد بھی کوئی کوشش ان لوگوں نے اٹھا نہ رکھی ہوگی کہتے تو رہے کہ: ﴿لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا﴾(۳) یعنی اگر ہم چاہتے تو اس کی مثل بنا لیتے مگر معلوم نہیں کہ یہ ﴿لَوْ نَشَآءُ﴾ کب کام آوے گا۔

## ایک طالب علم کی شہزادی سے نکاح کی خواہش

اس پر تو مجھے ایک قصہ طالب علم کا یاد آتا ہے جو کسی شہزادی سے نکاح کرنا چاہتے تھے مگر کہاں شہزادی اور کہاں یہ، کسی نے پوچھا کہ میاں کچھ کامیابی کی

(۱) ایسی دھمکیوں کے بعد بھی (۲) مستقبل میں ہمیشہ نہ کرسکنے کا ہے (۳) ''اگر ہم چاہیں ہم بھی کہہ لیں اس جیسا'' سورۂ انفال: ۳۱۔

بھی امید ہے، کہا ہاں آدھا سامان تو ہوگیا ہے آدھا باقی ہے کیونکہ نکاح کے دو جزو ہیں ایجاب اور قبول ۔ سو میں تو ایجاب کے لئے تیار ہوں اس کا قبول کے لئے راضی ہونا باقی ہے، تو کیا عقلاء کے نزدیک یہ آدھا سامان ہوگیا اسی طرح ان کے اس کہنے سے کہ ہم چاہتے ہیں تو ایسی کتاب بنالیتے کیا کتاب بن گئی اگر بن گئی تو کوئی پیش کرے یا اب کوئی بنالے، لیجئے استدلالِ عقلی سے قرآن کا کلامِ الٰہی ہونا ثابت ہوگیا پس وہ شبہ متعلق قرآن کے بھی جاتا رہا اور تمام شبہات مرتفع ہوکر مطلق کافر کا مخلد مؤبد فی النار ہونے کا استحقاق ثابت ہوگیا (۱) غرض یہ جز وآیت کا یعنی: ﴿مَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ﴾ مطلق کافر کی شان میں ہے۔

## مکلفین کی دوسری قسم

دوسری قسم مکلّف کی اس دوسرے جملہ میں ہے: ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ اس آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ ''ایک گروہ اُن میں سے کا وہ ہے جو کہتا ہے اے اللہ ہم کو دنیا میں بھی نیکی دیجئے اور آخرت میں بھی'' ترجمہ ہی سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ یہ مومن مطلق کی شان میں ہے کیونکہ اعتقادِ آخرت ہر مومن میں مشترک ہے۔

## ﴿فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً﴾ سے ترقی دنیا ثابت کرنے کا جواب

اور یہاں ایک بات پھر یاد آئی کہ اس آیت کو آج کل کے تعلیم یافتہ بہت پڑھتے ہیں اور اپنا ایک مدعا (۲) اس سے ثابت کرتے ہیں وہ مدعا کیا ہے ترقی دنیا، کہتے ہیں کہ قرآن کی تعلیم تو یہ ہے کہ آخرت کی ترقی کے ساتھ دنیا میں بھی ترقی کرو اور خشک مغز مولوی دنیا کی ترقی کو بالکل روکتے ہیں۔ یاد رکھیئے کہ آیت ہی میں اس

(۱) کافر کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں رہنے کا استحقاق ثابت ہوگیا (۲) اپنا ایک مقصود۔

کا جواب موجود ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے ''من الدنیا حسنة ''نہیں فرمایا بلکہ ﴿ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً ﴾ فرمایا ہے اگر من الدنیا حسنة فرمایا ہوتا تو یہ معنی ہو سکتے تھے کہ دنیا کی وہ حالت دیجئے جو اچھی ہو جس کو بلفظ دیگر ترقی کہہ سکتے ہیں جس کے ثبوت کے لئے یہ آیت پیش کی جایا کرتی ہے اور ﴿ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً ﴾ کے معنیٰ یہ ہیں کہ دنیا میں بھی ہم کو اچھی چیز دیجئے اور اس اچھی چیز کا جزوِ دنیا ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں بلکہ لفظ ''حسنة'' میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی دنیا کی چیز نہیں کیونکہ یہی لفظ ''حسنة'' آگے بھی موجود ہے اور ظاہر یہی ہے جو کہ معنی اس کے وہاں ہیں وہی یہاں بھی ہوں گے اور ظاہر ہے کہ ﴿ وَفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً ﴾ میں مراد ترقی مصطلح نہیں ہے(۱) بلکہ نیکی مراد ہے تو اس دعا میں دنیا کی اچھی حالت نہیں مانگی بلکہ دنیا میں نیکی مانگی اور دنیا میں وہ نیکی اعمالِ صالحہ ہیں اور آخرت میں وہ نیکی ان کی جزا ہے تو حسنة دنیا میں جس کی طلب کی گئی ہے وہ انگریزی پڑھنا نہیں ہوئی بلکہ توفیق اعمال صالحہ ہوئی۔

## انگریزی پڑھنے کی ممانعت نہیں

اور میری اس تقریر کا مطلب یہ نہیں کہ میں انگریزی پڑھنے کی ممانعت اس آیت سے ثابت کرتا ہوں پڑھیئے اور دس گونی پڑھیئے۔

ع چشم ما روشن ودل ماشاد(۲)

ہاں اس کے واسطے کچھ حدود ہیں ان کے اندر رہیئے اور ان سے تجاوز نہ کیجئے اور وہ حدود ممنوعاتِ شرعیہ ہیں ان میں نہ پڑیئے پھر انگریزی جتنی چاہے پڑھیئے مگر ہاں یہ ضرور ہے کہ قرآن میں اس کو داخل نہ کیجئے اور مامورات شرعیہ میں

(۱) اصطلاحی ترقی (۲) ''ہماری آنکھیں روشن اور دل خوش''۔

سے نہ سمجھئے (۱) قرآن ایسی چیزوں سے ساکت تو ہوسکتا ہے جس سے غایت سے غایت اباحت نکل آئے (۲) باقی ایسی چیزیں مدلولاتِ قرآنیہ میں سے نہیں ہیں (۳) ورنہ خدا خیر کرے ہر چیز قرآن ہی میں داخل ہوجاوے گی۔

## آج کل ہر چیز کو قرآن سے ثابت کیا جاتا ہے

لوگ اس کو بڑا ہنر سمجھتے ہیں کہ ہر چیز کو قرآن میں سے نکالیں۔ حالانکہ یہ قرآن کی بے ادبی ہے آج کل ایسے مذاق کے لوگ بہت ہیں جنہوں نے ملغوبہ (۴) بنالیا ہے قرآن کو، حالانکہ قرآن طب روحانی ہے اس میں وہی چیزیں داخل ہیں جن کو روحانی علاج سے تعلق ہے تعجب ہے کہ اسمیں وہ چیزیں تلاش کی جاتی ہیں جو اس کے مبحث سے خارج ہیں دیکھئے طبِ اکبر ایک کتاب ہے جو فن طب میں ہے اس میں اگر کوئی کہے کہ جوتیاں سینے کا بیان نہیں ہے تو اس پر اعتراض نہیں ہوتا اور یہی جواب دیا جاتا ہے کہ وہ اس فن کی کتاب نہیں ہے۔

## قرآن میں ہر چیز تلاش کرنے کی مثال

اسی طرح قرآن کی نسبت دعوی ہے کہ وہ اپنے فن کی کامل کتاب ہے کسی قسم کا نقص اسمیں نہیں ہے اور کوئی کتاب بھی اس کے برابر کامل نہیں ہے مگر اس میں وہ باتیں تلاش کرنا جن کو اس فن سے کوئی علاقہ نہ ہو ایسا ہی ہے جیسے طب اکبر میں جوتیاں سینے کی ترکیب کو ڈھونڈھنا۔ اگر طب اکبر میں یہ صنعت بھی لکھ دے مثلاً دردِ سر کے بعد اینٹیں بنانے کی ترکیب لکھ دے پھر سرسام کے بیان کے بعد مکان

(۱) جن چیزوں کا شریعت نے حکم دیا ہے ان میں سے نہ سمجھئے (۲) ایسی چیزوں کے بیان سے خاموشی تو اختیار کرسکتا ہے جس سے زیادہ سے زیادہ اس چیز کا جائز ہونا ثابت ہوگا (۳) ایسی چیزیں قرآنی آیات کا مدلول نہیں (۴) مکسچر۔

بنانے کی کچھ ترکیبیں لکھ دے پھر مالیخولیا کا بیان آجاوے اس کے آگے ایک بیان ہو جوتیاں سینے کا وعلی ہذا ہر بیان کے بعد ایک صنعت بھی بڑھادے بلکہ ہر دو چار سطر کے بعد ایک سطر کسی صنعت کی بھی اس میں ہو چاہے کلام مرتبط ہو یا نہ ہو، تو میں پوچھتا ہوں کہ کیا رائے قائم کی جائے گی۔ یہی کہا جائے گا اور سب دیکھنے والے ہنسیں گے کہ طب میں جوتی کی صنعت کیوں آگئی اور کوئی بھی اس کو پسند نہ کرے گا حالانکہ آج کل کے مذاق کے موافق تو یہ اضافہ بہت ہی معقول ہے اور اس سے کتاب کی خوبی بڑھنی چاہیئے کیونکہ پہلے صرف طب اکبر سے طبی معلومات حاصل ہوتی تھیں۔ اب بہت سے صنائع اور حرفتوں کا بھی علم ہوگا لیکن کوئی بھی اس کو پسند نہیں کرتا۔ پھر نہ معلوم کہ کلام اللہ میں اس ملغوبہ کو کیوں پسند کیا جاتا ہے ذرا اس مثال کو ذہن میں حاضر کر کے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ یہ کس قدر بیہودہ حرکت ہے کلام اللہ کی عظمت کیا اسی کی مقتضاء ہے کہ اس طرح سے اس کے ساتھ بے ادبی کی جاوے پس کلام اللہ طب روحانی ہے اور چیزوں کو اس میں ٹھونسنا کمال نہیں بلکہ نقص ہے۔

## جمیع العلم فی القرآن کا جواب

اور اس کے بارے میں جو یہ جملہ پیش کیا جاتا ہے ۔

جَمِیعٌ الْعِلْمِ فِی الْقُرْآنِ لَاکِنْ تَقَاصَرُ عَنْهُ اَفْهَامُ الرِّجَالِ (۱)

اس سے مراد علوم مقصودہ یعنی علومِ دین ہیں اور پھر علومِ دین میں سے بھی اصول، گو کہیں فروع بھی ہیں مگر جملہ فروع نہیں یہی تو وجہ ہے کہ حدیث میں

(۱) ''قرآن کریم میں جملہ علوم ہیں لیکن لوگوں کی عقلیں وہاں تک پہنچنے سے عاجز ہیں''

حضور ﷺ فرماتے ہیں: (( اُوْتِیْتُ مِثْلَ الْقُرْاٰنِ )) ''مجھے قرآن کے ساتھ اس کا مثل (حدیث) بھی دیا گیا ہے'' چنانچہ میں گدھے کو حرام کرتا ہوں دیکھ لیجئے اس کی حرمت قرآن میں نہیں ہے صرف حدیث سے ثابت ہے غرض اصول اور مہمات دین تو سب کے سب مذکور ہیں قرآن میں (۱) اور بعض فروع بھی ہیں (۲) فروع کے احاطہ کا اہتمام نہیں کیا گیا اور آج کل اسی کی شش کی جاتی ہے کہ ہر ہر فرع بھی قرآن ہی سے نکالنا چاہتے ہیں۔ اور اس کو قرآن کا بڑا کمال سمجھتے ہیں۔

## ادلۂ شرعیہ

اخباروں میں ایسے مضمون چھپتے ہیں مثلاً ایک سوال نوجوانوں کا یہ شائع ہورہا ہے کہ داڑھی کا ثبوت قرآن میں کہاں ہے؟ اور چونکہ یہ بات ذہنوں میں بیٹھی ہوئی ہے کہ قرآن کا کمال یہ ہے کہ ہر بات اسی میں نکل آوے اس واسطے جواب دینے والے بھی سوال کرنے والوں کا اتباع کرتے ہیں اور یہی کوشش کرتے ہیں کہ قرآن ہی سے داڑھی کا ثبوت دیں۔

سو یہ جواب صحیح نہیں بلکہ جواب صحیح اس کا یہ ہے کہ اِدلّہ کا حصر قرآن میں نہیں ہے (۳) شریعت میں چار دلیلیں ہیں کتاب یعنی قرآن اور سنت یعنی حدیث اور اجماع اور قیاس مجتہد۔ تمام مسائل شرعیہ کے لئے ان چاروں میں سے کوئی نہ کوئی دلیل ضرور ہونی چاہیئے اور علماء اس کے ذمہ دار ہیں اور اس کے ذمہ دار نہیں کہ ہر بات کو قرآن میں سے ثابت کریں یہ جواب نہایت محقق اور باقاعدہ ہے اور کہیں دھوکا دینے والا نہیں مگر یہ جواب پھیکا ہے رنگین نہیں ایسے جواب آج کل پسند نہیں آتے۔

(۱) دین کے اہم مسائل اور تمام اصول قرآن میں مذکور ہیں (۲) کچھ فروعی مسائل بھی ذکر کئے گئے ہیں
(۳) دلائل شرعیہ احکام کے ثبوت کے لئے صرف قرآن میں محصور نہیں ہیں۔

# غیر محقق جواب

آج کل تو ایسے جوابوں کی قدر ہے کہ ایک دوست نے داڑھی کا ثبوت قرآن سے دیا کہ دیکھو قرآن شریف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے: ﴿لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي﴾ (۱) یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کی داڑھی پکڑلی تو ہارون علیہ السلام نے کہا کہ میری داڑھی نہ پکڑو اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی داڑھی تھی بس یہ ثبوت ہوگیا قرآن سے، میں نے کہا کہ یہ ثبوت وجودِ لحیہ کا ہے یا وجوبِ لحیہ کا (۲)؟ ظاہر ہے کہ وجوب کا ثبوت تو نہیں ہے صرف وجود کا ہے تو اس کے لئے ناحق اتنا تکلف کیا اپنی ہی داڑھی پکڑ کر دکھادی ہوتی کہ دیکھو یہ ہے پس مشاہدہ سے وجودِ لحیہ کا ثبوت ہوجاتا۔

سو اگر وہ شخص یہ شبہ کرتا تو آپ کیا جواب دیتے کہنے لگے کہ اس کو اتنی سمجھ کہاں تھی مگر طالب علموں کو تو شرم آوے گی ایسی بات سے جس پر ایسے اشکال پڑیں جن کا جواب خود اپنے ذہن میں نہ ہو اس جواب میں خرابی یہ ہے کہ اس میں ایک غلط مقدمہ کا تسلیم کرلینا لازم آتا ہے وہ مقدمہ یہ ہے کہ دلیل منحصر ہے قرآن میں حالانکہ یہ مقدمہ غیر مسلم ہے تمام علماء اسلام کے نزدیک دلیلیں چار ہیں اور عقلاً بھی یہی ثابت ہے غرض یہ مقدمہ غلط ہے اور اس کو تسلم کرلینا بالکل دین کو منہدم کردینا ہے ایک جگہ کہیں اس سے کام نکال لیا جاوے اور تمام دین کو برباد کردیا جائے یہ کام عالم سے نہیں ہوسکتا اس واسطے جو علمی مذاق رکھتا ہے وہ جواب وہی دے گا جو محقق ہے اور جس پر کہیں غبار نہ ہو گو وہ پھیکا ہو اور رنگین نہ ہو۔

(۱) ''تم نہ میری ڈاڑھی پکڑو اور نہ سر'' سورۂ طٰہٰ: ۹۴ (۲) یہ ثبوت داڑھی ہونے کا ہے اس کے واجب ہونے کا نہیں۔

اور رنگین جواب کو کبھی اختیار نہ کرے گا کیونکہ وہ جیسے جلدی پسند آنے والا ہوتا ہے ویسے ہی جلدی ختم ہوجانے والا بھی ہوتا ہے، مگر مذاق ایسا بگڑا ہے کہ ایسی چال کو پسند کرتے ہیں اور ہر چیز کا ثبوت قرآن سے مانگتے ہیں۔

خیر یہ تو سوال کرنے والوں کی چال ہے زیادہ افسوس اس کا ہے کہ مجیب بھی ان کے متبع بن جاتے ہیں(۱) اور لگے یا نہ لگے مگر ہر چیز کا ثبوت قرآن سے دینے کے لئے تیار ہوجاتے ہیں حالانکہ یہ طریقہ سخت خطرناک ہے اور ہر جگہ چلنے والا نہیں جیسا کہ بیان کیا گیا، غرض سمجھ میں آگیا ہوگا کہ ہر چیز کو قرآن میں داخل کرنے کی ضرورت نہیں۔

## انگریزی پڑھنے کی شرط

تو انگریزی پڑھیئے مگر اس کو قرآن میں نہ ٹھونسئے، اور ﴿اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا﴾ میں داخل نہ کیجئے اور پھر پڑھتے بھی تو اس طور سے کہ حدود کے اندر رہئے اور باتوں کو بھی ہم نے چھوڑا مومن تو رہئے مصیبت تو یہ ہے کہ اعمال کی خرابی کو تو کیا رویا جاوے اب تو ایمان بھی بگڑنے لگے، عقائد بھی اکثر انگریزی پڑھنے والوں نے خراب کرلئے اب تو ایمان کے لالے پڑے ہوئے ہیں اب تو یہی حد کافی ہے کہ ایمان بچالیجئے، اسی حد کا خیال رکھنے کے بعد میں انگریزی کو منع نہیں کرتا غرض انگریزی پڑھئے مگر اس کو قرآن میں داخل نہ کیجئے اور اپنے مطلب کے لئے قرآن میں تحریف نہ کیجئے۔

## ﴿فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً﴾ کے معنی

غرض ﴿حَسَنَةً﴾ کی یہ تفسیر غلط ہے ورنہ ((من الدنیا حسنةً)) ہوتا بلکہ مراد ﴿حَسَنَةً﴾ سے اعمال صالحہ ہیں جو ﴿فِی الدُّنْیَا﴾ ہیں۔ ((من الدنیا))

(۱) جواب دینے والے بھی قرآن ہی میں جواب تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

نہیں اور اگر یہ ''فِی'' اور ''مِنْ'' کا فرق کسی کے نزدیک حجۃ نہ ہو تو یہ کہتے ہیں کہ اصل مقصود ہمارا یہ ہے کہ اس دعوے کی مراد اس سے ترقی دنیا ہے کوئی دلیل نہیں سو جو لوگ ﴿حَسَنَةً﴾ کی تفسیر ترقی دنیا لیتے ہیں یہ ان کا دعویٰ ہے اور دلیل مدعی کے ذمہ ہوتی ہے ہمارے واسطے کوئی ضرورت نہیں ہے کہ ہم اس پر دلیل پیش کریں کہ ﴿حَسَنَةً﴾ سے مراد وہ ہے جو ہم لیتے ہیں کیونکہ ہمارا ترجمہ لغت کے ساتھ شرع کے موافق ہی ہے نئی تفسیر انہوں نے نکالی ہے لہذا دلیل انہیں کے ذمہ ہے مگر خیر تبرعاً ہم نے ایک دلیل پیش کردی کہ قرآن شریف میں ﴿فِی الدُّنْیَا﴾ کا لفظ ہے نہ کہ ((من الدنیا)) کا تو ﴿حَسَنَةً﴾ کے معنی نیک کام کے ہوئے تو معنی یہ ہوئے کہ ''اے اللہ! ہم کو دنیا میں نیک کام کی توفیق دیجئے اور آخرت میں ان کی جزا دیجئے''۔

## ترقی متعارف کی نفی

بلکہ اشارۃً ترقی متعارف کی نفی ہے اس کا قرنیہ ﴿وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ ہے ورنہ اس کے بڑھانے کی کیا ضرورت تھی کیونکہ ﴿وَفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً﴾ کافی تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نیکی مانگنے کے ساتھ دوزخ میں لے جانے والی برائی سے بچنے کی بھی دعا ہے جس میں وہ ترقی بھی داخل ہے جو موجب معصیت ہو(۱) غرض اس آیت میں دُعا ترقی دین ہی کی ہے اور ظاہر ہے کہ دین کی دعا کرنا یہ شان مومن کی ہے اتنا تو بہت ہی صاف ہے البتہ اس میں مومن کے درجہ کا بیان نہیں کہ ادنیٰ ہے یا کامل، مگر میرا مدعا ہر طرح محفوظ ہے (۲) کہ اقسام اربعہ مکلفین میں

(۱) ایسی ترقی جو گناہ کا سبب بنے (۲) مگر میرا دعویٰ ہر طرح ثابت ہے۔

سے اس آیت میں ایک قسم یعنی مومن مطلق کا بیان تھا(۱) باقی دو قسمیں آگے آتی ہیں بیچ میں چند جملے اور ہیں جن کا مضمون مقام کے ساتھ گو مرتبط ہے مگر اس کو تقسیم سے تعلق نہیں اس لئے میں اس کے بیان کی ضرورت نہیں سمجھتا(۲) لہذا آگے کی آیتوں سے بقیہ اقسام اور ان کے احکام بیان کرتا ہوں۔

## مکلفین کی تیسری قسم

تیسری قسم یہ ہے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِي قَلْبِهٖ لا وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ﴾ ترجمہ یہ ہے کہ ''بعض آدمی وہ ہیں جن کی بات دنیا کے بارے میں آپ کو اچھی معلوم ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو اپنی قلبی حالت پر گواہ بناتا ہے حالانکہ وہ بڑا جھگڑالو ہے'' ﴿وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ﴾ ''اور جب وہ یہاں سے جاتا ہے تو اس کا کام یہ ہے کہ زمین میں قتل اور غارت کرنے کی کوشش کرتا ہے'' ﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا'' اور اس کی حالت یہ ہے کہ ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ط وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾ یعنی ''جب اس کو اس پر نصیحت کی جاتی ہے اور خدا کا خوف دلایا جاتا ہے تو اس کو گناہ کرنے پر حمیت اور عار مجبور کرتی ہے'' یعنی باوجودیکہ گناہ کا گناہ ہونا اس کے قلب میں ثابت ہو جاتا ہے مگر حمیت اور عار اور ضد سے گناہ کرتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے: ﴿فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾ کہ ''اس کے لئے جہنم کافی ہے اور وہ بُری جگہ ہے'' اس کے شان نزول سے معلوم ہوا ہے کہ یہ آیت مطلق کافر کے بارے میں نہیں ہے

(۱) پابندِ احکام لوگوں کی جو چار قسمیں بتائی تھیں ان میں سے ایک قسم مومن مطلق کا بیان ہے

(۲) درمیان کے جملے بھی اگرچہ سابقہ بیان کے ساتھ مربوط ہیں لیکن ان کا تعلق کسی تقسیم سے نہیں اس لئے ان کی تفصیل ذکر نہیں کی گئی۔

کیونکہ یہ آیت اخنس نام منافق کے بارے میں اتری ہے۔ ایک مقدمہ تو یہ ہے اور دوسرا مقدمہ اس کے ساتھ ملایئے کہ منافق اشد ہے کافر مجاہر سے (۱) اور اسی واسطے منافق کا عذاب مطلق کافر سے اشد ہے کیونکہ یہ دھوکا دیتا ہے اس لئے قرآن شریف میں منافق کے بارے ہے وارد ہے: ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ (۲) یعنی ''منافقین دوزخ کے سب سے نیچے طبقے میں ہوں گے'' ہر دو مقدموں کے ملانے سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس آیت میں معمولی کافر کا ذکر نہیں ہے بلکہ اشد کافر کا ہے (۳) نیز جن اعمال کا اس آیت میں ذکر ہے وہ نہایت شدید جرائم ہیں مثلاً فساد فی الارض اور اہلاک حرث والنسل یعنی قتل وغارت سب جانتے ہیں کہ یہ شدید جرائم ہیں، چنانچہ خود حق تعالیٰ نے بھی فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ﴾ یعنی خدا تعالیٰ کو یہ اعمال پسند نہیں اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ آیت مطلق کافر کے بارے میں نہیں ہے بلکہ شدید کافر کے بارے میں ہے۔ شدید ہونا تو تقریر مذکور سے معلوم ہوا باقی یہ کہ یہ شخص کافر ہے سو اس کا پتہ مآل سے چلتا ہے (۴) وہ مآل یہ ہے: ﴿فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾ یعنی ''اس کے لئے جہنم کافی ہے جو بُری جگہ ہے'' یہ حکم کافر ہی کا ہوسکتا ہے نہ کہ مومن کا، غرض آیت کے اس ٹکڑے میں کافر شدید کا ذکر ہے نہ مطلق کافر کا جیسا کہ اوپر کافر مطلق کا ذکر آچکا ہے یہ تین قسمیں ہوئیں۔

## مکلفین کی چوتھی قسم

اس کے بعد یہ آیت ہے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ﴾ یہ عطف دور سے چلا آرہا ہے اور یہ

(۱) مطلق کافر سے (۲) سورۂ نساء: ۱۴۵ (۳) سخت کافر کا ذکر ہے (۴) انجام سے معلوم ہوتا ہے۔

جملہ علیحدہ نہیں ہے اس واسطے میں نے دور سے اس آیت کو شروع کیا وہیں سے ﴿وَ مِنَ النَّاسِ﴾ کا سلسلہ چلا آرہا ہے قرآن شریف روزمرہ پڑھا جاتا ہے مگر پڑھنے والے کی نظر کبھی نہیں جاتی اس پر کہ یہ سب ایک ہی سلسلہ میں مرتبط ہیں (۱) اول کی دو قسموں پر تو نظر پڑ بھی جاتی ہے کیونکہ ان کا عطف قریب قریب ہے اور یہ دو قسمیں جملہ مستانفہ معلوم ہوتی ہیں (۲) کیونکہ ان کا عطف بعید ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان قسموں کو ماقبل سے کوئی تعلق نہیں لیکن غور سے دیکھا جائے تو یہ سب جملے باہم مرتبط ہیں (۳) اور ایک ہی مقسم کی چاروں قسمیں آیت میں موجود ہیں۔

غرض چوتھی قسم یہ ہے کہ: ﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ﴾ یشری بمعنی بیع کے ہیں (۴) تو ترجمہ یہ ہوا کہ ''ایک قسم آدمیوں کی وہ ہے جو اپنی جان کو خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے بیچ ڈالتے ہیں'' ان کا کام تو یہ ہے اور حق تعالیٰ کا ان کے ساتھ برتاؤ یہ ہے: ﴿وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌ م بِالْعِبَادِ﴾ اس کے شان نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے ہی اشخاص کی شان میں ہے جو کمال درجہ ایمان پر پہنچے ہوئے تھے جن کو مومن کامل کہنا چاہیئے اور لفظ: ﴿وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ﴾ بھی بتاتا ہے کہ آیت مطلق مومن کے بارے میں نہیں ہے بلکہ بڑے مومن کے بارے میں ہے کیونکہ: ﴿رؤف﴾ مبالغہ کا صیغہ ہے رافت خود شدت رحمت کو کہتے ہیں (۵) اور اس سے مبالغہ کا صیغہ بنا تو اور رحمت میں شدت ہوئی ایسی رحمت اُسی شخص کے واسطے ہوسکتی ہے جو بدرجہ کمال اس کا مستحق ہو اور وہ مومن کامل ہی ہے اور لفظ بالعباد بھی بتاتا ہے کہ مومن کامل ہی مراد ہے کیونکہ اعلیٰ درجہ کا کمال عبدیت ہی ہے، غرض ہر ہر لفظ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس آیت میں مومن کامل ہی کا بیان ہے تو کل قسمیں

(۱) ایک ہی سلسلہ میں جڑے ہوئے ہیں (۲) ایک نیا جملہ معلوم ہوتی ہے (۳) یہ سب جملے ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں (۴) خریدنا بیچنے کے معنی میں ہے (۵) رافت کے معنی بہت رحمت کے ہیں۔

مکلفین کی چار ہوئیں یہ تو مدلول لفظی تھا ان آیات کا۔

## مراتب ایمان وکفر

اب اس مدعائے مستنبط کو بیان کرتا ہوں تقریر مذکور میں ثابت کر دیا گیا ہے کہ ایمان کے مراتب بھی مختلف ہیں اور کفر کے مراتب بھی مختلف ہیں ایک کفر کامل (کامل تو کیوں کہوں کیونکہ کفر تو بدترین عیب اور بدترین نقص ہے اس کی جگہ میں لفظ کفر شدید اختیار کرتا ہوں) دوسرا غیر شدید اور ظاہر ہے کہ آخری وہ درجہ جس کو کامل اور شدید کہا جائے انتہائی درجہ ہوتا ہے پھر اس کے مقابل جو سب میں اول ہو ابتدائی کہلاتا ہے جیسے درسیات میں ہدایہ امور عامہ وغیرہ کو کہا جاتا ہے کہ اخیر کی کتابیں ہیں اور اسی کو دوسرے الفاظ میں کہہ سکتے ہیں کہ انتہائی کتابیں ہیں اور میزان کو کہا جاتا ہے کہ پہلی کتاب ہے اسی کو ابتدائی کتاب بھی کہہ سکتے ہیں۔

غرض کمال کو انتہا اور پہلے درجہ کو ابتدا کہتے ہیں اور جب کفر میں یہ مراتب ہیں تو ضرور ایک مرتبہ اخیر ہوگا جس کو میں نے شدت کفر کہا تھا اور ایک درجہ سب سے کم ہوا جس کو ابتدا کہہ سکتے ہیں غرض کفر میں دو مرتبے نکلے ابتداء اور انتہاء۔

اور ایسے ہی ایمان میں بھی ابتداء اور انتہاء ہوئی اور مجھ کو اس وقت صرف ایمان کے ان مراتب کا بیان مقصود ہے اور یہی ہے وہ مضمون مستنبط جس کی تمہید کو گو طول تو ہوا مگر ضرورت کی وجہ سے ہوا کیونکہ ایمان کے ان مراتب کا ثابت کرنا اس سب بیان پر موقوف تھا غرض تقسیم مذکور تو مکلفین کی قرآن سے ثابت ہوئی اور اسکے ساتھ ایک مقدمہ عقلی ملایا گیا جو بہت ظاہر ہے پس اس طرح سے آیت میں ابتدائی اور انتہائی درجہ کا بیان ہو گیا۔

## قرآن کی ترتیب بلیغ

اور سوق کلام میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں اولاً بیان ہے ابتدائی مرتبہ کا اس کے بعد انتہائی کا اور ذکر مراتب میں اسی طرح تدریجاً ترقی کیا کرتے ہیں اور کمال کو بعد میں بیان کیا کرتے ہیں اکثر عادت یہی ہے گو یہاں قرآن میں کوئی لفظ صریح نہیں اس ترتیب کے بارے میں مگر ایسی ترتیب بلغاء کی عادت ہے اور قرآن بلیغ ہے تو قرآن میں بھی یہی ترتیب ہونا بہت قرین قیاس ہے پھر اقسام کی حقیقت میں نظر کرنے سے بھی ترتیب واضح ہوتی ہے چنانچہ اول مطلق کا درجہ مذکور ہو۔ پھر کمال کا پس اس طور پر آیت کے مجموعی مضمون سے یہ دعویٰ مستنبط ہوگیا کہ کفر کی طرح ایمان میں بھی یہ مراتب ہیں یعنی ابتدائی اور انتہائی۔

## درجاتِ ایمان

اور اس وقت میری بحث کا تعلق صرف ایمان سے ہے میں درجات کفر سے تعرض نہ کروں گا غرض ایمان کا ایک درجہ تو ابتدائی ہوا اور ایک انتہائی اور آگے کی ایک آیت سے یہ دلالت بہت ہی واضح ہوجائے گی اور وہ آیت یہ ہے: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً﴾ یہ صاف ہے اس بارے میں کہ دو مرتبے ہیں اسلام میں کیونکہ اس میں خطاب ہے ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں اور ان کو حکم ہے دخول فی السلم کافہ کا(۱) معلوم ہوا کہ ایمان کے بعد بھی کوئی مرتبہ باقی ہے جس کو دخول فی السلام کافۃً کہہ سکتے ہیں (۲) اور اس سے پہلے یہ مرتبہ حاصل نہیں۔ غرض ایمان کے دو درجے ہونا بہت ہی صراحت کے ساتھ ثابت

(۱) اسلام میں پورے پورے داخل ہونے کا حکم ہے (۲) جس کو اسلام میں پورا پورا داخل ہونا کہہ سکتے ہیں۔

ہوگیا۔ ایک مطلق جو ابتدائی درجہ پر بھی صادق ہے اور ایک کامل جو کہ صرف انتہائی پر صادق ہے۔

## نفسِ ایمان اور کمالِ ایمان میں فرق

اور چونکہ تفاوت ایمان کا اعمال سے ہوتا ہے چنانچہ بعض اعمال سے نفس ایمان کا وجود ہوتا ہے مثلاً کلمہ شریف کا پڑھنا اور بعض اعمال سے کمالِ ایمان ہوتا ہے جیسے دوسرے اعمال، پس ایمان میں ان دو درجوں کے ہونے کے معنی یہ ہونگے کہ ایمان سے جن اعمال کا تعلق ہے ان اعمال میں دو درجے ہیں ایک اول الاعمال دوسرا آخر الاعمالِ پس اب اس مدعا کو اس دوسرے مختصر عنوان سے یوں ادا کرسکیں گے کہ اعمال متعلقہ ایمان میں کچھ ابتدائی ہیں اور کچھ انتہائی اور دلائل سے ثابت ہے کہ دونوں کا حاصل کرنا ضرور ہے تو یہ معنی ہوئے کہ مسلمان کو ابتداء سے انتہاء کی طرف ترقی کرنی چاہیئے یعنی ایمان لانے کے بعد اس مرتبہ تک پہنچنا چاہیئے جس کو اخیر کہہ سکیں۔

## درجاتِ اعمال

اب اس کا بیان کرنا باقی رہا کہ کونسا عمل ابتدائی ہے اور کونسا انتہائی ابتدا اور انتہا مقرر کردینے سے چیز کا احاطہ بھی ہوجاتا ہے پس یہاں دو دعوے ہوئے ابتدائی عمل کا تعین اور انتہائی عمل کا تعین ان دونوں دعووں میں سے ہر ایک کو پورے طور سے بیان کرنے کے لئے تو یہ مجلس کافی نہیں تھی لہذا میں اس مجلس میں صرف ابتدائی درجہ بیان کرتا ہوں اور درجہ تقدیم ظاہر ہے کیونکہ بدون ابتداء کے اوسط اور انتہا کچھ بھی متحقق نہیں ہوسکتی تو گویا یہ بیان باقی ماندہ دو درجوں کے لئے موقوف علیہ ہے۔

## اشکال کا جواب

اور کوئی یوں نہ سمجھے کہ جب بقیہ اعمال اس پر موقوف ہیں تو بدون اس کے تمام اعمال بیکار ہی ہیں(۱) تو جن لوگوں کو اب تک یہ ابتدائی درجہ معلوم نہیں تھا ان لوگوں کی محنتیں بیکار ہی ہیں۔

جواب اسکا یہ ہے کہ کمال اعمال اس کے علم پر موقوف نہیں(۲) ہاں خود(۳) اس کے علم پر موقوف ہے اور اس کا علم ہوجانے سے چال باقاعدہ ہوجاتی ہے جیسا کہ درسیات پڑھنے میں اس کا علم ہوجانے سے کہ میزان ابتدائی کتاب ہے اور شمس بازغہ مثلاً انتہائی کتاب ہے چال باقاعدہ ہوجاتی ہے اور اس کا جاننے والا جلد جلد ترقی کرتا ہے اور نہ جاننے والا بھی کبھی نہ کبھی درسیات پر عبور کرلے گا مگر دیر بہت لگے گی اور وقت بہت ضائع ہوگا اسی طرح اول الاعمال کو نہ جاننے سے چال بے ڈھنگی رہے گی اور گو کبھی نہ کبھی توسط اور منتہٰی سب حاصل ہوجاویں(۴) مگر دیر بہت لگے گی اور ترقی سست ہوگی۔

## ثبوت ترتیبِ اعمال

اور یہ ترتیب میں از طرف خود نہیں بیان کرتا ہوں بلکہ دلائل سے ثابت کروں گا دلیل اس کی قرآن میں موجود ہے چنانچہ معلوم اور ثابت ہے کہ عمل صالحہ بدون ایمان کے صحیح نہیں ہوتا یہ ایک مقدمہ ہوا اور یہ ایسا مقدمہ ہے کہ مسلّم ہے اس کے دلائل بہت مشہور اور معلوم ہیں اس واسطے میں ان کو بیان نہیں کرتا۔

اور دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ ایمان کیا ہے غور سے دیکھئے تو ایمان فرد ہے

(۱) جب بقیہ اعمال کا انحصار اس پر ہے تو بغیر اس کے تمام اعمال بے کار ہوں گے (۲) یہ مطلب نہیں ہے کہ جب تک درجات کا علم نہیں ہوگا کامیابی حاصل نہیں ہوگی (۳) یعنی کمال (۴) درمیانہ اور انتہائی سب درجے حاصل ہوجائیں گے۔

توبہ کا یعنی ایمان نام ہے توبہ عن الشرک والکفر ہے۔ (۱) اور یہ پہلے مقدمہ میں ثابت ہے کہ ایمان شرط صحت ہے تمام اعمال کی (۲) اور ایمان ایک قسم ہے توبہ کی تو توبہ شرط ابتدائی ہوئی تمام اعمال کی (۳) اور یہی ہے اول الاعمال بلا اس کے کسی قسم کی ترقی نہیں ہوسکتی۔

## شبہ کا جواب

اب یہاں ذرا سا شبہ ہوسکتا ہے توبہ کا شرط ابتدائی ہونا ثابت تو بے شک ہوگیا مگر وہ مطلق توبہ نہیں ہے بلکہ توبہ عن الشرک والکفر ہے (۴) اور یہ ایک فرد ہے توبہ کا تو بعض افراد توبہ کا ابتدائی ہونا ثابت ہوا اور درجے توبہ کے دو ہیں توبہ عن الکفر اور توبہ عن المعاصی (۵) یہ البتہ محتاج اثبات رہا کہ دوسری قسم بھی آیا شرط ابتدائی ہے یا نہیں، تو بات یہ ہے کہ گویا توبہ اس فرد توبہ کے درجے میں تو شرط نہیں یعنی شرط امتیاز نہیں لیکن شرط کمال ضرور ہے (۶) چنانچہ موٹی بات ہے کہ جس غلام سے آقا کی نافرمانیاں ہوں اور پھر وہ اس کو راضی کرنا چاہے تو پچھلی خطاؤں سے معافی مانگ کر خدمت کرے تب تو وہ خدمت قابل شمار ہے ورنہ کچھ بھی اثر اس خدمت کا نہیں ہوسکتا۔

## طاعت بلا توبہ سے انشراح نہیں ہوتا

اور اگر آقا اپنی متانت اور مخیّری کی وجہ سے کچھ زبان سے کہے بھی نہیں اور خدمت اس سے چھین بھی نہ لے تب بھی وہ خدمت ایسی ہوگی کہ بلی کے گوہ کی طرح دبی دبائی رہے گی (۷) کہ نہ غلام کا دل خوش ہوگا نہ آقا کا اور کانٹا سا دونوں کے دل میں کھٹکتا رہے گا حجاب دونوں کا جب ہی رفع ہوتا ہے جبکہ معاملہ صاف

(۱) ایمان کفر و شرک سے توبہ کرنے کا نام ہے (۲) اعمال کے صحیح ہونے کے لئے پہلی شرط ایمان ہے (۳) توبہ پہلی شرط ہوگی تمام اعمال کی اسی کو اول الاعمال کہتے ہیں (۴) شرک و کفر سے توبہ (۵) توبہ کے دو درجے ہیں کفر سے توبہ اور گناہوں سے توبہ (۶) گناہوں سے توبہ ابتدائی درجہ میں تو شرط نہیں ہے لیکن شرط کمال ضرور ہے (۷) جیسے بلی اپنے گوہ کو دبا دیتی ہے ایسے ہی یہ دبے دبے انداز میں خدمت کرے گا۔

ہوجاوے اور پچھلی تقصیرات کی معافی ہوجاوے(۱) بلا اس کے طبعی بات ہے کہ انقباض رہتا ہے (۲) آپس کے معاملات میں تو یہ ہے ہی خداوند عالم کے معاملات میں بھی یہی ہے آزمالیجئے وظیفہ پڑھئے اور توبہ نہ کیجئے تلاوت بھی کیجئے مگر دل کو دیکھئے کیا حالت ہے دل خود بخود اندر سے گھٹتا ہوگا اور ایک توبہ کرکے گڑگڑا کر پھر وظیفہ پڑھئے اور تلاوت کیجئے پھر ٹٹولئے دل کو، میں بقسم کہتا ہوں کہ زمین آسمان کا فرق ہوگا اس وقت فرحت اور شگفتگی اور سرخروئی ہوگی اور امید قوی ہوگی فضل کی اور اس وقت دل شرمایا شرمایا نہ ہوگا۔

## گناہ کا خاصہ

بلکہ گناہ میں خاصہ ہے کہ حق تعالیٰ کی یاد سے دل گھبراتا ہے جیسے مجرم حاکم کے سامنے جانے سے گھبراتا ہے چاہے وہ کچھ بھی نہ کہے اور جس کے ذمہ جرم نہ ہو اس کو حاکم کے سامنے جاتے وقت طرح طرح کی شگفتگی اور امنگ اور امید اور انبساط اور انشراح ہوتا ہے (۳) اسی طرح حق تعالیٰ کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے چنانچہ ایک صاحب کا قول ہے ؎

اَحَبُّ مَنَاجَاتِ الْحَبِیْبِ بِاَوْجُہٍ وَلٰکِنْ لِسَانُ الْمُذْنِبِیْنَ کَلِیْلُ (۴)

اور یوں کوئی بے حیائی ہوجاوے تو اس کا علاج ہی کیا ہے جس میں ذرا حیا اور خجلت ہے (۵) اس کی تو آنکھ نہیں اٹھ سکتی ((اِلَّا بِوَجْہٍ لَیْسَ فِیْہِ حَیَآءٌ))

---

(۱) دونوں کے دل کی صفائی جب ہی ہوگی جب معاملہ بالکل صاف ہوجائے اور پہلا قصور معاف ہوجائے (۲) دل گھٹا گھٹا رہتا ہے (۳) خوشی اور امید ہوگی اور دل کھلا کھلا ہوگا (۴) ''میں محبوب سے مختلف طریقوں سے مناجات کرنا چاہتا ہوں۔ مگر مجرموں کی زبان سلی ہوئی ہے'' (۵) جس میں تھوڑی سی بھی شرم وحیا ہوگی۔

''مگر جس آنکھ میں شرم وحیا نہ ہو''۔

یہ خاصیت طبعیہ ہے عصیان کی کہ بلا اُسکے ترک کئے طاعت غیر قابل اعتبار ہوتی ہے یہ تو عقل سے ثابت ہوا۔

## توبہ اول الاعمال ہے

اور اس کی تائید قرآن سے بھی ہوتی ہے جہاں حق تعالیٰ نے صفات مومنین کی بیان فرمائی ہیں اور چند اعمال کو ایک جگہ جمع کیا ہے وہاں سب سے مقدم توبہ کو فرمایا ہے وہ آیت یہ ہے: ﴿اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ﴾ (۱) یہ تو معاملہ کا بیان ہوا کہ حق تعالیٰ نے مومنین سے بیع وشرا (۲) کا معاملہ کیا ہے اور بدلین (۳) کا ذکر بھی ہے آگے ان کی اس حالت کی تفصیل ہے وہ یہ ہے: ﴿اَلتَّآئِبُوْنَ الْعَابِدُوْنَ الْحَامِدُوْنَ﴾ (۴) اس میں ﴿تَائِبُوْنَ﴾ (۵) کو مقدم کیا سب صفات پر حتی کہ ﴿عَابِدُوْنَ﴾ پر بھی (۶) قرآن شریف ابلغ کلام ہے اس کی ترتیب کے اندر بھی ضرور کوئی بات ہے وہ یہی ہے کہ توبہ مقدم ہے تمام صفات پر اور تمام صفات کمال اور جمیع عبادات کا لطف اور کمال بھی توبہ کے بعد ہی ہوسکتا ہے۔ ایک آیت اور یاد آئی اس میں بھی یہی مضمون ہے وہ یہ ہے: ﴿عَسٰی رَبُّہٗٓ اِنْ طَلَّقَکُنَّ اَنْ یُّبْدِلَہٗٓ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْکُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ

---

(۱) ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے اُن کی جانوں کو اور اُن کے مالوں کو اس بات کے عوض میں خرید لیا ہے کہ اُن کو جنت ملے گی'' سورۂ توبہ:۱۱۱ (۲) خرید وفروخت کا معاملہ کیا (۳) جو چیز ایک دوسرے کے عوض بیچی اور خریدی جائے گی اس کا ذکر بھی ہے (۴) ''وہ ایسے ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں عبادت کرنے والے حمد کرنے والے'' سورۂ توبہ:۱۱۲ (۵) توبہ کرنے والوں (۶) عبادت کرنے والوں پر بھی۔

ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا﴾(۱) اس میں بھی ﴿ تَـٰٓئِبٰتٍ ﴾ مقدم ہے ﴿ عٰبِدٰتٍ ﴾ پر اس سے ثابت ہوتا ہے کہ توبہ عبادات پر مقدم ہے اور ظاہر ہے کہ توبہ بھی عمل ہے اور عبادات بھی اعمال ہیں اور یہ عبادات سے مقدم ہے تو توبہ اول الاعمال ہوئی۔

## شبہ کا جواب

اس آیت پر ایک شبہ ہے وہ یہ کہ اس میں ﴿ تَـٰٓئِبٰتٍ ﴾ کا لفظ ﴿ عٰبِدٰتٍ ﴾ پر تو مقدم ضرور ہے جس سے توبہ کا مقدم ہونا عبادت پر نکلتا ہے مگر اول الاعمال ہونا توبہ کا اس سے نہیں نکلتا کیونکہ آیت میں اس سے بھی مقدم چند الفاظ ہیں اور وہ یہ ہیں: ﴿مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ ﴾ ترتیب کی وجہ سے کہا جا سکتا ہے کہ چوتھا مرتبہ ﴿تَـٰٓئِبٰتٍ ﴾ کا ہے توبہ کا اعمال میں سے اول ہونا جب مستفیض ہوتا(۲) جب کہ آیت ﴿اَلتَّآئِبُوْنَ ﴾ کی طرح اس میں بھی سب سے مقدم ﴿تَـٰٓئِبٰتٍ ﴾ ہوتا۔

اس کا جواب بہت ظاہر ہے کیونکہ میں نے تصریح کر دی ہے کہ توبہ کے اول الاعمال ہونے کے معنی یہ ہیں کہ بجز ایمان و اسلام کے سب اعمال پر مقدم ہے اور ان دونوں کا مقدم ہونا تو مسلّم ہے(۳) ان کے بغیر تو اعمال کیسے بھی اچھے ہوں مگر ایسے ہوتے ہیں جیسے ایک باغی ہو کہ سلطنت کی امداد بھی کرتا ہے اور رفاہ عام کے کام بھی بہت کرتا ہے مگر ہے باغی تو یہ سب کام اس کے بے کار ہیں اسی طرح ایمان و اسلام ہے کہ کوئی عمل بدون ان کے صحیح بھی نہیں نورانیت تو الگ رہی۔

---

(۱) ''اگر پیغمبر (ﷺ) تم عورتوں کو طلاق دیدیں تو ان کا پروردگار بہت جلد تمہارے بدلے ان کو تم سے اچھی بیبیاں دے دیگا جو اسلام والیاں ایمان والیاں فرمانبرداری کرنے والیاں توبہ کرنے والیاں عبادت کرنے والیاں روزہ رکھنے والیاں ہوں گی کچھ بیوہ اور کچھ کنواریاں'' سورۂ تحریم: ۵ (۲) توبہ کا اول الاعمال ہونا جب معلوم ہوتا ہے (۳) ایمان اور اسلام کا سب اعمال سے مقدم ہونا تو تسلیم شدہ ہے کیونکہ ان کے بغیر اعمال قبول نہیں۔

## دوسرے شبہ کا جواب

اب ایک شبہ اور ہے کہ: ﴿ مُسْلِمٰتٍ ﴾ اور: ﴿ مُّؤْمِنٰتٍ ﴾ کا تقدم تو: ﴿تٰٓئِبٰتٍ﴾ پر صحیح ہوگیا مگر آیت میں ایک لفظ: ﴿ قٰنِتٰتٍ ﴾ بھی: ﴿ تٰٓئِبٰتٍ ﴾ پر مقدم ہے جس سے توبہ کا اول الاعمال ہونا پھر باطل ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قنوت فعل قلب ہے(۱) یہ بھی توبہ سے مقدم ہے (۲) اس واسطے کہ توبہ ندامت کو کہتے ہیں (۳) اور ندامت جب ہی ہوگی جبکہ قنوت ہو کیونکہ جب تک نرمی جھک جانا عجز قلب میں نہ ہو تو کسی فعل پر ندامت کیوں ہونے لگی اور یہی ترجمہ ہے قنوت کا تو توبہ ہمیشہ قنوت کے بعد ہوگی تو عقلاً ثابت ہوگیا کہ توبہ کی شرط قنوت ہے اس واسطے: ﴿ قٰنِتٰتٍ ﴾ کو بھی اس آیت میں: ﴿ تٰٓئِبٰتٍ ﴾ پر مقدم کیا۔

## توبہ کے اول الاعمال ہونے کا مطلب

تو حاصل یہ ہوا توبہ کے اول الاعمال ہونے کا کہ اعمال مامور بہا میں سے جن اعمال پر توبہ مبنی نہیں ہے ان سب سے توبہ مقدم ہے اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی طاعت صحیح نہیں ہوگی بلا توبہ کے گو بعض افراد توبہ کے ایسے بھی ہیں جو شرط صحت ہیں تمام اعمال کے لئے اور وہ توبہ عن الکفر ہے(۴) چنانچہ سب جانتے ہیں کہ بلا اس کے کوئی عمل بھی صحیح نہیں ہوسکتا لیکن باقی افراد توبہ کے یعنی توبہ عن المعاصی (۵) محققین کے نزدیک شرط کمال ہیں یعنی نورانیت کسی عمل کی بلا اس کے نہیں ہوتی گو عمل قبول ہوجائے۔

---

(۱) نرمی دل کا فعل ہے (۲) یہ بھی توبہ سے پہلے ہے (۳) شرمندگی کو کہتے ہیں (۴) کفر سے توبہ (۵) گناہوں سے توبہ۔

## بغیر توبہ نیک عمل کرنے کی مثال

جیسے ایک باورچی ہو کہ وہ آقا کی نافرمانی کرتا ہے اور آقا اس سے کشیدہ ہے (۱) لیکن آقا مخیّر ایسا ہے (۲) کہ کھانا اس کے ہاتھ کا پکایا ہوا کھالیتا ہے یہ صفت رحم اور عفو کی ہے مگر اسکا نتیجہ یہ ہے کہ آقا دل میں کشیدہ ہے اور خود باورچی کا دل بھی رکا ہوا ہے (۳) کھانا کھلاتا ہے مگر کھل کر بات بھی نہیں کرسکتا اور یہ جب ہوگا کہ جب اس کو محبت ہو آقا سے۔

ورنہ اگر ضابطہ کا نوکر ہے تب تو ''غیرت چہ کنی است کہ پیش مرداں بیاید'' (۴) اس کو اپنی نوکری پوری کرنے کا خیال ہوگا آقا انبساط کے ساتھ کھانا کھائے یا انقباض کے ساتھ (۵) اُسے تنخواہ لینے سے مطلب خیر ایسے آدمی کا تو ذکر نہیں، ذکر اس کا ہے جس کو غیرت اور محبت ہو سو ایسا شخص آقا کے سامنے غیر مطیع ہونے کی حالت میں خدمت میں حلاوت اور انبساط اور شگفتگی اور راحت فرحت اور نشاط بدون توبہ اور تقصیرات کے معافی ملے ہوئے نہیں پاسکتا (۶)۔

## بلا توبہ کے عمل گو قبول ہو مگر نورانیت نہیں ہوتی

اور یہ بات ثابت ہے کہ خدمت اس کی ویسے بھی قبول ہوگئی جیسے آقا نے کھانا کھا تو لیا ہے اور پھینک نہیں دیا۔ اس کو یہ حکم نہیں کیا کہ توبہ کرکے پھر دوبارہ پکاوے اور اس نفس عمل کی مقبولیت پر نص موجود ہے میں اپنی طرف سے نہیں کہتا

(۱) مالک اس سے کھچا کھچا رہتا ہے (۲) مالک میں یہ خوبی ہے (۳) اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مالک اور نوکر دونوں ایک دوسرے سے کھنچے کھنچے رہتے ہیں (۴) اس کو شرم ہی کب آئے گی کیونکہ شرم تو باحیا لوگوں کو آتی ہے (۵) اسے تو اپنی نوکری کرنی ہے مالک خوشی سے کھانا کھائے یا تنگ دلی سے (۶) توبہ اور قصور کی معافی کے بغیر آدمی نیک اعمال میں حلاوت و مٹھاس حاصل نہیں کرسکتا۔

ہوں: ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ﴾(۱) اس میں حق تعالیٰ نے شرط نہیں کی توبہ کی برخلاف اس کے ایمان کو بہت جگہ شرط بنایا ہے صحت اعمال کے لئے اور توبہ عن المعاصی کو کہیں شرط نہیں کیا جس سے یہ حاصل ہوا کہ نفس عمل تو مقبول مگر نورانیت اس میں نہیں ہوسکتی اور اسی نوارنیت نہ ہونے کو بعض نصوص میں حبط سے تعبیر فرمادیا ہے چنانچہ حدیث میں ہے: ((مَنْ فَاتَتْهُ صَلَاةُ الْعَصْرِ فَقَدْ وُتِرَ اَهْلُهُ وَمَالُهُ))(۲) اور ایک روایت میں اس کی تفسیر ہے: ((حَبِطَ عَمَلُهُ))(۳)۔

## شبہ کا جواب

اور حبطِ عمل ظاہراً خاصہ کفر ہے (۴) مگر یہاں ایک عمل فرعی کو بھی حابط (۵) فرمایا اسی طرح اور بعض اعمال کو بھی حابط فرمایا ہے معتزلہ وخوارج (۶) کو اسی سے دھوکا ہوا اور قائل ہوگئے کہ مرتکب کبیرہ خارج عن الایمان یا کافر ہے (۷) مگر محققین کے نزدیک دوسری نصوص کی دلیل سے مراد حبط کمال ہے جو خاصہ کفر ہے (۸)۔

## ارتکابِ کبیرہ سے کفر نہ لازم آنے کا ثبوت

اسی طرح ایک اور حدیث میں بھی عدم ایمان سے مراد عدم ایمان کامل ہے اور موجود ہے وہ حدیث یہ ہے: ((لَا يَزْنِي الزَّانِي حِيْنَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِيْنَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ ))(۹) جس کا حاصل یہ ہے کہ زنا کرتے وقت

(۱) ''پس جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا'' سورۂ زلزال: ۷ (۲) ''جس شخص کی عصر کی نماز فوت ہوگئی تو گویا اس کے اہل وعیال تباہ ہوگئے'' مسند احمد: ۲/۵۴ (۳) ''یعنی اس کے اعمال ہی ضائع ہوگئے'' (۴) اعمال کا ضائع ہونا بظاہر کفر کا خاصہ ہے (۵) عمل کو ضائع کرنے والا فرمایا (۶) دو فرقے ہیں (۷) گناہ کبیرہ کا مرتکب ایمان سے خارج اور کافر ہے (۸) ایمان تو رہتا ہے لیکن کمال ایمان نہیں رہتا (۹) صحیح للبخاری: ۳/۱۷۸۔

ایمان باقی نہیں رہتا اور چوری کرتے وقت ایمان باقی نہیں رہتا اس سے بھی ایک باطل کے دھوکا کو قوت ہوئی مگر اہلسنت کا اتفاق ہے اس بات پر کہ اس سے ایمان نہیں جاتا اور اس کا ماخذ حدیث کا صریح لفظ ہے: ((لَا تـكَفُرُهُ بِذَنبٍ ))(۱) یعنی مسلمان کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہ سمجھو، اور اس کے بعد دوسرا یہ جملہ ہے جو اس سے بھی زیادہ اوضح فی المقصود ہے (۲)((لَا تَـخـرُجُهُ عَنِ الْاِيْمَانِ)) یعنی اس کو مومن ہونے سے خارج مت کرو۔

## حدیث کی بلاغت

کیا بلاغت ہے حدیث کی اللہ اکبر آخر حق تعالیٰ نے نبی کو اعلم الخلق بنایا ہے (۳) معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ اس باب میں دو قسم کے اہل بدعت ہوں گے اُن دونوں کے رد کے لئے یہ دو جملے فرمائے چنانچہ ایک فرقہ ان میں خوارج ہے اور ایک معتزلہ۔

## خوارج اور معتزلہ کا رد

((لَا تَـكْـفُـرُهُ))(۴) میں رد ہے خوارج کا کیونکہ انکا عقیدہ ہے کہ گناہ کرنے سے مومن مومن نہیں رہتا بلکہ کافر ہو جاتا ہے۔

اور(( لَا تَـخـرُجُــه عَنِ الْاِيْمَـانِ ))(۵) میں رد ہے معتزلہ کا کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ مرتکب کبیرہ ایمان سے خارج ہے گو کافر بھی نہ ہو وہ ایک واسطہ بین الکفر والایمان کے قائل ہیں (۶) اور کہتے ہیں کہ ایسا شخص لامومن ولا کافر (۷) ہے دیکھئے کیسا

(۱) مجمع الزوائد: ۱/۱۰۶ (۲) اس سے بھی زیادہ مقصود کو واضح کرنے والا ہے (۳) مخلوق میں سب سے زیادہ عالم (۴) کافر نہ کہو (۵) اس کو ایمان سے خارج نہ کرو (۶) وہ کفر اور ایمان کے درمیان ایک درجہ کے قائل ہیں (۷) نہ مسلمان ہے نہ کافر۔

صریح رد ہے دونوں پر ورنہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ((لَا تُکَفِّرُوْہُ بِذَنْبٍ))ہی کافی تھا(۱) پھر اس جملہ((لا تخرجه عن الايمان))کی کیا ضرورت تھی(۲) مگر ان دونوں فرقوں کے پیدا ہوجانے کے بعد قدر معلوم ہوتی ہے حدیث کی بلاغت کی کہ ان کے وجود سے پہلے ہی ان کا صریح بطلان کر دیا گیا۔

غرض جن اعمال کی نسبت وارد ہے کہ وہ حابط ہیں اہلسنت والجماعت کے نزدیک اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان سے عمل ایسے باطل ہوجاتے ہیں جیسے کفر کرنے سے تمام اعمال باطل ہوجاتے ہیں کیونکہ حبط اعمال اس معنی کر خاصہ کفر کا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ حبط کمال ہوجاتا ہے نہ حبط ذات یعنی ان کے کرنے سے ایمان کامل نہیں رہتا۔

## کمالِ ایمان معصیت کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا

اور اس سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ ایمان کا کمال معصیت کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا اور اس کے نقصان سے سب اعمال میں نقص ہوگا اور ایسا ہوجائے گا جیسا دھندلا چراغ۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر کمال ایمان حاصل نہ ہو تو اعمال کو چھوڑ بیٹھو کیونکہ اگر برقی روشنی اور عمدہ چراغ نہ بھی ہو تو دھندلا چراغ کچھ تو ہے یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ گھر میں اندھیرا ہے کچھ نہ کچھ تو کام دیتا ہی ہے اس لئے کبھی کبھی نیک عمل کو حقیر سمجھ کر نہ چھوڑنا چاہیئے۔

## ذکرِ ریائی

ایک بزرگ سے کسی نے کسی کی نسبت کہا کہ فلاں شخص ذکرِ ریائی کرتا ہے(۳) جواب دیا کہ تو تو ذکر ریائی بھی نہیں کرتا تو کیا منہ لے کر کہتا ہے وہ ٹمٹماتا ہوا

(۱) گناہ کی وجہ سے اس کو کافر نہ کہو اتنا جملہ ہی کافی تھا (۲) پھر اس جملہ ''اس کو ایمان سے خارج نہ کہو'' کی کیا ضرورت تھی (۳) دکھلا دینے کے لئے ذکر کرتا ہے۔

چراغ لے کر تو پل صراط سے پار ہوجائیگا اور تو تو اس سے بھی محروم ہے(۱) اسی کی نسبت کہا ہے ؎

سودا قمار عشق میں شیریں کے کوہ کن بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھوسکا
کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشقباز اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہوسکا

ریائی ہی سہی اس سے یہ تو امید ہوسکتی ہے کہ کبھی ذکر غالب آجاوے اور ریا ندارد ہوجاوے(۲)۔

## اعمالِ صالحہ کی مثال

چنانچہ بکثرت ایسا ہوا ہے کہ کسی نے اعمال شروع کئے تھے کسی غرض سے لیکن اعمال غالب آگئے اور وہ غرض اڑگئی اور عمل محض رہ گیا۔

اعمالِ شرعیہ کی مثال مشک کی سی ہے کہ اور چیزوں میں اس کو ملادیا جاوے تو اس وقت تو اس کی خوشبو مغلوب ہوجاتی ہے اور چیزوں کی بو غالب معلوم ہوتی ہے مگر مشک کی خوشبو رچنے والی اس قدر ہوتی ہے کہ بعد چندے سب چیزوں کی بو ہوا ہوجاتی ہے اور مشک ہی مشک رہ جاتا ہے اسی طرح اعمال شرعیہ اور ذکراللہ میں اثر ہے۔ کہ یہ چیزیں رچنے والی ہیں ان کے ساتھ اور چیزیں مل بھی جاویں تب بھی اکثر بقا انہی کو رہتی ہے۔

## کمال عمل کا ضیاع

غرض کسی عمل کو معصیت کی وجہ سے چھوڑنا تو نہ چاہیئے وہ کامل نہ سہی

(۱) حاجی امداداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے ریا ہمیشہ ریا نہیں رہتا کچھ عرصہ ذکر کرنے سے عادت ہوجاتی ہے پھر عبادت بن جاتا ہے اس لئے اگر ریاءً بھی ذکر کی توفیق ہو تو کرتا رہے چھوڑے نہیں (۲) ریاء ختم ہوجائے۔

ناقص ہی سہی عدم سے تو اچھا ہے ہاں یہ چاہیئے کہ کوشش کرے کہ وہ معصیت نہ رہے اور عمل خالص رہ جاوے پھر اس کی برکات دیکھیں کہ کیسی ہوتی ہیں۔

خلاصہ یہ کہ معصیت سے حبط ذات عمل نہیں ہوتا ہاں حبط کمال ہوتا ہے۔

## شبہ کا جواب

یہاں ایک شبہ طالب علمانہ ہے وہ یہ کہ قرآن میں من واذیٰ کی نسبت وارد ہے کہ ان سے صدقہ حبط ہوجاتا ہے(۱) چنانچہ فرماتے ہیں: ﴿لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى﴾(۲) یعنی اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور معطی لہ (۳) کو تکلیف پہنچا کر باطل نہ کرو یہ آیت بالکل صریح ہے اس باب میں کہ صدقہ باطل ہوجاتا ہے من واذیٰ سے تو یہ بات صحیح نہ رہی کہ معاصی سے حبط عمل نہیں ہوتا بلکہ ثابت ہوگیا کہ بعض معاصی بھی حابط ہیں۔

حل اس کا یہ ہے کہ مقصود ہمارا یہ ہے کہ معصیت فی نفسہ حابط عمل نہیں (۴) یعنی معصیت من حیث ھی معصیت کے لئے خاصہ لازمہ حبط عمل نہیں ہے۔(۵)

## ''من واذیٰ'' سے عمل ضائع ہونے کی وجہ

باقی اگر بعض معاصی کی نسبت وارد ہو کہ یہ حابط ہیں تو یہ حکم ان کی خصوصیت ہوگی اور انہی تک محدود رہے گا علی العموم ہر معصیت کے لئے حبط ثابت نہ ہوگا۔ پس ممکن ہے کہ ریا انہیں معاصی میں سے ہو اور ''من'' و''اذی'' بھی انہیں میں سے ہو اور من واذیٰ کے حابط ہونے میں تو درحقیقت ایک راز بھی ہے وہ یہ کہ

(۱) احسان جتلانے اور تکلیف دینے کے بارے میں آیا ہے کہ ان سے صدقہ ضائع ہوجاتا ہے (۲) ''تم احسان جتلا کر یا ایذاء پہنچا کر اپنی خیرات کو برباد مت کرو'' سورۂ بقرہ: ۲۶۴ (۳) جن کو عطیہ دیا گیا ہے (۴) گناہ اپنی ذات کے اعتبار سے عمل کو ضائع کرنے والا نہیں (۵) یعنی گناہ اس حیثیت سے کہ وہ گناہ ہے اس کے خاص عمل کو صائع کرنا نہیں ہے۔

صدقہ انفاق یعنی خرچ کرنے کو کہتے ہیں یہ ایک عمل ہے جس کی فضیلت شریعت میں بہت کچھ وارد ہے (۱) مگر یہ خوب سمجھ لیجئے کہ اس میں نفس انفاق مقصود بالذات نہیں (۲) یعنی یہ غرض نہیں کہ روپیہ والے کے ہاتھ سے روپیہ نکل جاوے ورنہ فقیر کو دینا اور سمندر میں پھینک دینا برابر ہوتا بلکہ مقصود اصل غریب کو راحت پہنچانا ہے اور جب صدقہ دینے کے بعد فقیر پر احسان جتلایا گیا یا اور کسی طرح تکلیف پہنچائی گئی تو غرض اصلی محفوظ نہ رہی تو اس صورت میں خود انفاق کی روح ہی موجود نہیں تو اصل عمل ہی کا وجود حقیقی نہ ہوا۔ صرف صورت ہی صورت رہ گئی اس لئے یہاں حبط کہا گیا۔

## گناہوں میں باہم فرق

بخلاف اس صورت کے مثلاً ایک شخص چوری کرتا ہے اور نماز بھی پڑھتا ہے یہاں ایک طاعت کے ساتھ ایک معصیت جمع ہے (۳) اور اس معصیت اور طاعت میں کوئی علاقہ نہیں (۴) طاعت بجائے خود طاعت ہے اور معصیت معصیت ہے (۵) یہاں یہ حکم نہیں لگایا جاسکتا کہ نماز معصیت کی وجہ سے حبط ہوجاویگی یا مثلاً نماز انفاق مع المن والاذیٰ ہی کے ساتھ جمع ہوجاوے (۶) کہ من واذی بنص قرآنی حابط ہے مگر صرف انفاق کے لئے نہ نماز کے لئے (۷) یہ فرق ہے باہم معاصی کے درمیان میں کہ بعض بخصوصہا معاصی حابط ہیں جن میں نص موجود ہے (۸) ورنہ ذات معصیت کا مقتضی حبط نہیں ہے غرض یقینی ہے یہ بات کہ

(۱) آئی ہے (۲) صرف خرچ کرنا ہی مقصود نہیں (۳) نیکی کے ساتھ گناہ جمع ہے (۴) اس نیکی اور گناہ میں کوئی تعلق نہیں (۵) گناہ گناہ ہے اور نیکی نیکی (۶) یعنی نماز بھی پڑھے اور مال بھی خرچ کرے تکلیف دینے اور احسان جتانے کے ساتھ (۷) احسان جتانا اور تکلیف دینا صرف صدقہ مالیہ کو ضائع کرتا نماز کو نہیں (۸) بعض گناہ عمل کو ضائع کرنے والے ہیں اپنی خصوصیت کی وجہ سے جن میں کوئی نص قرآنی موجود ہے۔

معصیت حابط ذات عمل نہیں (۱) ہاں حابط نورانیت (۲) ہے پس عمل کی نورانیت کے لئے توبہ عن المعاصی شرط ہے (۳)۔

## اعمال میں بے ترتیبی کی مثال

یہ بیان تفصیل کے ساتھ اس واسطے کیا گیا کہ آج کل بے ترتیبی بہت ہورہی ہے لوگ نماز وغیرہ پڑھتے ہیں اور بہت سے اعمال نوافل کرتے ہیں مگر کسی کو یہ خیال نہیں ہوتا کہ اس کے کمال کی بھی کوئی شرط ہے کہ بلا اس شرط کے کمال ہوتا ہی نہیں اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص ناظرہ قرآن شریف پڑھے اور الف، بے نہ پڑھے لیکن بہت سی محنت کر کے قرآن شریف یاد کرلے سو یہ یقینی بات ہے کہ وہ ماہر قرآن نہ ہوگا کیونکہ ترتیب درست نہیں اور اس نے ابتدا درست نہیں کی کتنی بڑی غلطی ہے کہ ایک مکان بہت بڑا بنایا جاوے اور اس کی بنیاد کمزور چھوڑ دی جائے اسی طرح کتنی بڑی غلطی ہے کہ ابتدائی عمل کی خبر نہیں جس پر تمام اعمال کی بنیاد ہے اور وہ عمل توبہ ہے وجہ اس کی بے حسی ہے کہ توبہ کی ضرورت ہے لیکن میں جبکہ مشاہدہ کراچکا ہوں کہ اعمال صالحہ سے جو کہ بلا توبہ کے ہوں قرار اور سکون اور راحت اور شگفتگی نہیں ہوتی تو پھر کیا۔ صاحبو اعمال میں فقط معصیت اٹھانا ہی مدنظر ہے کیا نماز اسی واسطے پڑھی جاتی ہے کہ ہاتھ پیر کو تکلیف پہنچے اور نیند خراب ہو اور بہت سے کاموں میں حرج ہو۔ نہیں بلکہ مقصود اس کی حلاوت حاصل کرنا ہے۔

---

(۱) عام گناہ عمل کو ضائع کرنے والے نہیں (۲) ہاں نورانیت کو ضائع کرنے والے ہیں (۳) اعمال میں نورانیت کے لئے گناہوں سے توبہ شرط ہے۔

## نماز میں حلاوت

نماز کے اندر حلاوت ایسی ہے کہ کسی چیز میں بھی نہیں اس کا پتہ اس سے چل سکتا ہے کہ کسی کو محبوب کے سامنے کھڑے ہونے کا موقع مل جائے تو اس وقت کیا لطف آتا ہے جس کے بیان کی میں ضرورت نہیں سمجھتا حق تعالیٰ محبوب حقیقی ہیں ان کے سامنے کھڑے ہونے میں جو لذت ہوگی وہ تو حاصل ہونے ہی سے معلوم ہوسکتی ہے مگر ہماری نماز کے ساتھ چونکہ اس کی شرط موجود نہیں اس واسطے گو مدت سے نماز پڑھتے ہیں مگر نورانیت نہیں اور ہماری حالت میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔

## ہمارے اعمال کی مثال

ایک چور کا قصہ ہے کہ وہ ایک گھر میں چوری کرنے گیا گھر والا بہت کم سوجھ تھا اس کو کھٹکا معلوم ہوا تو اس نے روشنی کرنے کے لئے چقماق (۱) سے آگ جھاڑی چقماق نے چنگاری دی مگر چور نے کیا کیا کہ اس کے اوپر انگلی رکھ دی وہ سمجھا کہ چنگاری از خود بجھ گئی پھر دوبارہ جھاڑی (۲) پھر چور نے یہی کیا، غرض گھنٹے گذر گئے اور آگ ہی نہ جلی اور چراغ روشن نہ ہوا آخر وہ تھک کر بیٹھ رہا کہ خدا جانے آج چقماق کیسی آگ دیتا ہے کہ جلتی ہی نہیں، بس چور نے خوب فراغ کے ساتھ اپنا کام کیا، یہی حالت ہمارے اعمال کی ہے کہ ان سے نور پیدا ہوتا ہے اور چنگاریاں جھڑ جاتی ہیں مگر شیطان موجود ہے انگلی سے ان چنگاریوں کو دبا دیتا ہے ورنہ آپ خیال کرسکتے ہیں کہ اعمال صالحہ مسلمان ہر وقت کرتا ہے تو گویا ہر وقت ایک ایک چنگاری جھڑتی ہے اگر یہ ایک ایک چنگاری بجھا نہ دی گئی ہوتی تو اب تک تو اتنی ہوجاتیں کہ ایک عالم جل اٹھا ہوتا مگر کچھ بھی نہیں ہنوز روز اول ہے ہم

(۱) ماچس کی طرح کا ایک مسالہ ہوتا تھا جو آگ جلانے کے کام آتا تھا (۲) دوبارہ جلانے کی کوشش کی۔

سچ مچ تیلی کے بیل ہیں کہ ساری عمر چلے اور وہیں کے وہیں موجود ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ کام طریقہ سے نہیں کرتے اور اعمال کی شرائط کو پورا نہیں کرتے۔

## توبہ بنیاد اعمال ہے

چنانچہ توبہ سب کے لئے شرطِ اول ہے اور اعمال کی بنیاد ہے اس کو صحیح نہیں کر لیتے اس واسطے کسی عمل میں پائیداری نہیں آتی اس کا مطلب یہ نہیں کہ نماز چھوڑ کر توبہ کرو اور جب نماز پڑھتے ہو تو تو یہ بھی کرو اور توبہ تو کوئی معتمد چیز نہیں (۱) جس کے لئے کسی نماز کو چھوڑنا پڑے توبہ ارادہ ترکِ معصیت کا نام ہے یہ جب آدمی چاہے تو ایک منٹ میں ہو جاوے شکایت اسی کی ہے کہ اس سے غفلت کیوں ہے، جب اعمال کئے جاتے ہیں اور ان کے واسطے مشقت اٹھائی جاتی ہے اور حرج کیا جاتا ہے تو ان کو اس طرح کیوں نہ کیا جاوے کہ کامل کہلاویں اور وہ طریقہ یہی ہے کہ معاصی سے توبہ بھی کر لو۔

## توبہ سے محرومی کا سبب

اب بہت لوگوں کو یہ بات توبہ سے مانع ہوتی ہے کہ خیال ہوتا ہے کہ گناہ ہم سے چھوٹے گا نہیں اس وقت توبہ کریں گے اور تھوڑی دیر میں پھر اس کو کریں گے تو اس توبہ سے کیا فائدہ، سمجھ لیجئے کہ یہ وسوسہ شیطانی ہے کہ اس خیال میں ڈال کر توبہ سے محروم رکھتا ہے ان لوگوں نے توبہ کے قانون پر خیال نہیں کیا قانون توبہ یہ ہے: ((اَلتَّآئِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ)) (۲) یعنی جب آدمی گناہ سے توبہ کر لیتا ہے تو وہ ایسا ہی ہو جاتا ہے جیسا گناہ کیا ہی نہیں تو اگر توبہ ٹوٹ بھی گئی تو پھر کر لے پھر گناہ معاف ہو گیا پھر ٹوٹ گئی پھر کر لی پھر ٹوٹ گئی پھر کر لی۔

(۱) توبہ تو کوئی لمبی چوڑی چیز نہیں (۲) سنن ابن ماجہ: ۳۲۵۔

# توبہ کا قانون

اس پر اگر یہ خیال کیا جاوے کہ کہاں تک معافی ہوا کرے گی اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو بھی اپنی طرح سمجھا ہمارا تو دستور یہ ہے کہ کہتے ہیں ایک خطا خطا، دو خطا خطا، تیسری مادر بخطا(۱) وہاں یہ نہیں ہے اللہ جل جلالہ کی شان تو بڑی ہے اہل اللہ کی حالت یہ ہوتی ہے کہ ان کو کوئی ہزار دفعہ ستاوے پھر ان سے معافی مانگ لے تو خوش کے خوش ان کا تو قول یہ ہے کہ ؎

کفر است در طریقت ما کینہ داشتن آئین ماست سینہ چوں آئینہ داشتن (۲)

جب بندگانِ خدا کی یہ شان ہے تو خدا کی شان تو پوچھو ہی مت اسکا بیان حدیث میں اس طرح ہے: ((مَا اَصَرَّ مَنِ اسْتَغْفَرَ وَلَوْ عَادَ فِی الْیَوْمِ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً)) (۳) یعنی وہ شخص مُصر علی المعصیت نہیں ہے جو استغفار کرتا ہے اگرچہ ایک دن میں ستر مرتبہ اُس گناہ کو لوٹ لوٹ کر کرتا ہو اور حدیث قدسی میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''اگر ابن آدم میرے پاس زمین بھر کر گناہ لے کر آئے گا بشرطیکہ شرک نہ کیا ہو تو میں اس کے جواب میں اُس سے زیادہ مغفرت لے کر آؤنگا'' کس قدر امید دلانے والی حدیث ہے حق تعالیٰ کی بارگاہ دنیا کے لوگوں کی سی بارگاہ نہیں ہے دنیا کے لوگ جو بار بار قصور کرنے سے ناراض ہوجاتے ہیں اس کی وجہ یا تو غصہ سے مغلوبیت ہوتی ہے یا کوئی خوف ہوتا ہے مثلاً ذاتی یا ملکی نقصان کہ اگر پاداش نہ دی جاوے گی (۴) تو مجرم کی جرأت بڑھے گی اور نقصان پہنچے گا اور حق تعالیٰ کے یہاں ان دونوں میں سے ایک بھی بات نہیں تو اگر حق تعالیٰ برابر معافی دیے جائیں تو کیا بعید

(۱) ایک دفعہ غلطی معاف کردی دوسری دفعہ معاف کردی لیکن تیسری دفع میں سزا ہوگی (۲) راہِ طریقت میں دل میں کینہ رکھنا کفر کی بات ہے۔ آئینہ کی طرح سینہ کو صاف شفاف رکھنا چاہیئے (۳) مشکوۃ المصابیح: ۲۳۴ (۴) اگر سزا نہ دی جائے گی۔

ہے اور کیا تعجب ہے۔

## حق تعالیٰ کا بندے پر رحم

حق تعالیٰ نہ توبہ توڑنے سے ڈرتے ہیں نہ کثرت گناہ سے ڈرتے ہیں اللہ میاں تنگ نہیں ہیں اور توبہ توڑنے یا گناہ کرنے سے اللہ میاں کا بگڑا کیا۔ گناہ کی مثال تو بدپرہیزی کی سی ہے اگر بچہ نے بدپرہیزی کی تو باپ کا کیا بگڑا ہاں باپ کو رحم آئے گا کہ اس نے اپنی جان ہلاکت میں ڈالی اور یہی چاہے گا کہ کسی طرح اس کا تدارک ہوجائے یہی گنہگار کی اور حق تعالیٰ کی مثال ہے کہ گناہ کرنے سے حق تعالیٰ کا اس نے کچھ نہیں بگاڑا، ہاں حق تعالیٰ کو اس پر رحم آتا ہے اور یہی چاہتے ہیں کہ کسی طرح اس کے وبال سے وہ بچ جاوے۔

## حق تعالیٰ کے افعال اختیاری ہیں

بلکہ بچہ اور باپ کی مثال سے اتنا فرق بھی ہے کہ بچہ کی بدپرہیزی سے باپ کو تو رنج بھی ہوتا ہے اور حق تعالیٰ کی ذات پر رنج وانفعال کا تحقق محال ہے کیونکہ واجب الوجود انفعال وتاثر سے پاک ہے (۱) رحم فرمانا اور بات ہے حق تعالیٰ کے افعال اختیاری ہیں ترحم بمعنی دل پگھلنے کے وہاں صادق نہیں آسکتا تو نہ ترحم وہاں بمعنی دل پگھلنے کے ہے اور نہ غضب وقہر وہاں بمعنی جوش میں آجانے کے ہیں گنہگار پر حق تعالیٰ کو جوش نہیں آتا یعنی بے بسی نہیں ہے جیسے ہم کو کوئی امر ناگوار دیکھ کر بے اختیار جوش آجاتا ہے کہ اگر ہم چاہیں بھی کہ جوش نہ آوے تو یہ ہماری قدرت میں نہیں حق تعالیٰ کی ذات میں اس معنی کر غضب کا تحقق نہیں ہے (۲) بلکہ

(۱) اللہ تعالیٰ کسی فعل سے نہ متاثر ہوتے ہیں نہ مغلوب (۲) حق تعالیٰ کے یہاں اس قسم کا غصہ نہیں پایا جاتا۔

اختیار محض ہے اور باپ میں رنج کا ہونا طبعی ہے اور غیر اختیاری ہے یہ فرق ہوا حق تعالیٰ کے معاملہ میں بندہ کے ساتھ اور باپ کے معاملہ میں بچہ کے ساتھ، جس کا حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا ترحم گنہگار پر باپ سے بھی بڑھا ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ بندوں میں بڑی سے بڑی رحم دلی یہ ہے کہ کوئی معافی مانگے تو معافی دے دیں یا کوئی چیز مانگے تو اس کو وہ دیدیں اور اس سے کشیدہ[۱] نہ ہوں نہ یہ کہ بجائے کشیدہ نہ ہونے کے اور خوش ہوں اور نہ مانگے تو ناخوش ہوں اور حق تعالیٰ کے یہاں یہ ہے کہ جتنا کوئی زیادہ مانگے اور لپٹ کر مانگے اتنا ہی اُس سے خوش ہوتے ہیں اور نہ مانگنے سے ناخوش ہوتے ہیں۔

## حق تعالیٰ زیادتی دعا کو پسند کرتے ہیں

حدیث میں کہ:((اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُلَحِّیْنَ فِی الدُّعَآءِ ))[۲] یعنی حق تعالیٰ ان لوگوں کو پسند کرتے ہیں جو گڑگڑا کر دعا مانگتے ہیں اور حدیث میں ہے: ((مَنْ لَّمْ یَسْئَلِ اللّٰہَ یَغْضَبْ عَلَیْہِ ))[۳] اور یہ چاہیئے ہیں کہ بندہ دل و جان سے دعا مانگے ((اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَجِیْبُ الدُّعَآءَ عَنْ قَلْبٍ لَاہٍ ))[۴] اور حدیث میں ہے: ((اُدْعُوا اللّٰہَ وَاَنْتُمْ مُوْقِنُوْنَ بِالْاِجَابَۃِ ))[۵] یعنی دعا اس طرح مانگو کہ قبولیت کا یقین رکھتے ہو بندوں کی حالت تو یہ ہے کہ زیادہ مانگنے سے تنگ دل ہوتے ہیں اور ہونا ہی چاہیئے کیونکہ ان کے مملوکات اور عطایا محدود ہیں[۶] کہاں تک کسی کے سوال کو پورا کر سکتے ہیں اور حق تعالیٰ ایسی باتوں سے اور خوش ہوتے

---

(۱) اس سے رنجیدہ نہ ہو (۲) فتح الباری: ۱۱/۹۵ (۳) ''جو خدا سے نہیں مانگتا اس پر اس کو غصہ آتا ہے'' سنن الترمذی: ۳۳۷۳ (۴) ''اللہ تعالیٰ نہیں قبول فرماتے بے دلی سے کی گئی دعا'' سند احمد: ۲/۱۷۷ (۵) سنن الترمذی: ۳۴۷۹ (۶) کیونکہ ان کی مِلک میں دینے والی چیزیں تھوڑی سی ہیں۔

ہیں کہ خوب مانگا جاوے اور قبولیت کا وثوق کر کے مانگا جاوے کیونکہ وہاں مملوکات وعطایا کی کوئی حد وانتہا ہی نہیں غرض حق تعالیٰ کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو حق تعالیٰ کی شان تو ((وَرَاءُ الْوَرَاءُ ثُمَّ وَرَآءُ الْوَرَاءِ))(۱)۔

## اولیاء کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو

انبیاء واولیاء کو بھی اپنے اوپر قیاس کرنا ناجائز ہے مولانا فرماتے ہیں۔ نظم

جملہ عالم زیں سب گمراہ شد — کم کسے ز ابدال حق آگاہ شد
ہمسری با انبیاء برداشتند — اولیا راہم جو خود پنداشتند
گفتہ اینکہ ما بشر ایشا بشر — ماوایشاں بستۂ خوابیم وخور
ایں ندانستند ایشاں از عمیٰ — درمیاں فرقے بود بے منتہا
کارپا کاں را قیاس از خود مگیر — گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر
شَیر آں باشد کہ مردم می خورد — شِیر آں باشد کہ مردم می خورند(۲)

جب مقربان خدا کی یہ حالت ہے کہ ان کو اپنے اوپر قیاس نہ کرنا چاہیئے۔

## توبہ کا طریقہ

تو پھر خدا کو کس طرح اپنے اوپر قیاس کر سکتے ہیں غرض وہ تنگ ہونے

(۱) ''بڑی ارفع اور اعلیٰ ہے'' (۲) ''یعنی دنیا اسی خام خیالی کی وجہ سے گمراہ ہوگئی۔ کہ انہوں نے اللہ کے اولیاء کو پہچانا نہیں۔ خدا کے پیغمبروں کی برابری اور ہمسری کا دعویٰ کیا اور اولیاء اللہ کو اپنے ہی جیسا گمان کیا۔ اور کہنے لگے ہم بھی انسان وہ بھی انسان وہ بھی کھاتے پیتے ہیں ہم بھی کھاے پیتے ہیں۔ ان بے وقوفوں نے یہ خیال نہیں کیا کہ ان میں ہم میں بڑا فرق ہے۔ بزرگانِ دین اور نیک لوگوں کے کاموں کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو اگر چہ دیکھنے میں تمہارا اور انکا کام یکساں ہو جیسے لکھنے میں شَیر اور شِیر یکساں ہیں۔ شَیر وہ (جانور) ہوتا ہے جو آدمیوں کو کھاتا ہے۔ شِیر (دودھ) وہ ہوتا ہے جس کو آدمی کھاتے (پیتے) ہیں''۔

والے نہیں ہیں تو یہ خیال کرنا صحیح نہیں کہ بار بار توبہ کرنے سے معافی نہ ہوگی یاد رکھو اگر ہزار دفعہ بھی توبہ ٹوٹ جائیگی تب بھی معافی ہوسکتی ہے اور یہ صرف شیطانی فکر ہے کہ وہ اس خیال کے ذریعہ سے توبہ سے روکتا ہے البتہ خود توبہ میں پھر اُس گناہ کرنے کی نیت نہ رکھو یہ تو واہیات ہے اس وقت تو خالص دل سے یہی نیت کرلو کہ اب کبھی یہ گناہ نہ کریں گے اور خوب گڑگڑا کر معافی مانگو لیکن اگر اس کے بعد توبہ ٹوٹ جائے پھر کرلو پھر ٹوٹ جائے پھر کرلو۔

## توبہ کے بارے میں اللہ کا اعلان

وہاں کا اعلان یہ ہے۔

باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ گر کافرو گبروبت پرستی باز آ(۱)

اور یہ صرف شاعری نہیں ہے بلکہ اس شعر میں بالکل حدیث مذکور کا مضمون ہے: ((مَااَصَرَّ مَنِ اسْتَغْفَرَ وَاِنْ عَادَ فِی الْیَوْمِ سَبْعِیْنَ مَرّۃً)) ''یعنی اگر کسی شخص سے گناہ پر گناہ ہوجائے خواہ دن میں ستر مرتبہ بھی ہو پھر سچے دل سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے ہیں۔

گویا بالکل ترجمہ ہے اس حدیث کا ؎

ایں درگہہ ما درگہہ نومیدی نیست صد بار اگر توبہ شکستی باز آ(۲)

آخر وہ خدا ہیں صاحب کسی مخلوق پر ان کا قیاس کیسے کرسکتے ہیں۔ مختار مطلق اور غیر مختار میں تو بڑا فرق ہے پھر قادر مطلق کا تنگ ہونا چہ معنی (۳)

(۱) ''جو کچھ بھی تجھ سے غلطی ہوگئی ہو اس سے باز آجا۔ خواہ کافر اور ملحد بت پرست ہی کیوں نہ ہو وہ اپنی ان حرکات سے باز آجائے (۲) ''ہماری درگاہ اور دربار مایوسی کی جگہ نہیں اگر تم سے سو دفعہ توبہ کر لینے کے بعد بھی ٹوٹ جائے پھر توبہ کرلو'' (۳) جب قادر مطلق اور غیر قادر مطلق میں بہت فرق ہے تو پھر قادر مطلق کے تنگ ہونے کا کیا مطلب، یعنی اللہ تعالیٰ کسی کے مانگنے سے تنگ نہیں ہوتے۔

خدا تعالیٰ کو لوگوں نے کیا سمجھا ہے، اللہ توبہ ہے۔

آج کل کی تصنیف ایک کتاب دیکھی آج کل لوگوں کو تعلیم نسواں میں شغف ہے وہ کتاب اسی مضمون میں تھی اور ایک عورت ہی کی لکھی ہوئی تھی۔

## مسئلہ تعلیم نسواں

میں تعلیم نسواں کے مسئلہ کے خلاف نہیں ہوں بلکہ اس سے متفق ہوں مگر صرف تعلیم دین کے بارے میں اور آج کل لوگ تعلیم جدید کے درپے ہیں گو کہیں کہیں تعلیم دین کا بھی کچھ نام لگالیا ہے مگر درحقیقت تعلیم جدید ہی مقصود ہے سو اس زہریلی تعلیم نے کامل العقول کی تو عقل کو غارت کیا (۱) دماغ ان کے ایسے ہوگئے کہ صحیح بات سمجھ میں نہیں آتی تو ناقصات العقل پر کیا اثر کرے گی (۲) جو اثر ظاہر ہوگا ظاہر ہے، مشہور ہے ماشاء اللہ کریلا اور نیم چڑھا سو اس کتاب کا قصہ یہ ہے کہ ایک بی بی نے کتاب چھاپی جس میں عورتوں کے لئے تعلیم جدید کی ضرورت پر بحث کی تھی خدا جانے کیا ضرورت ہے شاید عورتیں بھی نوکری کریں گی۔ ایک طوفان بے تمیزی چل پڑا ہے کہ غور اور تامل سے کوئی بھی کام نہیں لیتا بس تعلیم کا نام آیا اور اس کی حمایت کے لئے تیار ہوئے حالانکہ یہ بہت ہی موٹی بات ہے کہ ہر چیز سے ایک غایت اور غرض ہوا کرتی ہے (۳) اور بلا اس کے کسی کام کا کرنا (۴) بیوقوفی میں داخل ہوتا ہے تو عورتوں کو تعلیم جدید دینے سے کیا غرض ہے مثلاً تاریخ اور جغرافیہ پر کونسا کام ان کا موقوف اگر ان کو یہ معلوم ہوگیا کہ شاہجہاں بادشاہ فلاں سن میں

---

(۱) مردوں کی عقل تو خراب کی ہی ہے (۲) عورتوں کی عقل کا کیا ستیاناس کرے گی (۳) ہر چیز کا کوئی مقصد ہوتا ہے (۴) بغیر اس مقصد کے اس کام کا کرنا۔

پیدا ہوا تھا تو کونسا کام بن گیا اور نہ معلوم ہوا تو کونسا کام رہ گیا، اور اگر یہ معلوم ہوگا کہ فلانا دریا فلاں جگہ سے نکلا اور فلاں جگہ تک بہا ہے کونسا کام چلا۔ ہاں ریلوں کے جنکشن اور جابجا کے راستے معلوم ہونے سے شاید یہ نتیجہ ہو سکے کہ کبھی بھاگنا چاہیں تو دقت نہ ہو یہ سمجھ میں آتی ہوئی باتیں ہیں اور تعلیم جدید کی مضرتیں مشاہدہ میں آچکی ہیں اگر ذرا بھی توجہ کریں تو تسلیم میں کوئی تامل نہ رہے(۱) چنانچہ ایک صاحب سے میں نے اسی قسم کی باتیں کیں جن کی بی بی یہ تعلیم پاتی تھیں اُن پر ایسا اثر ہوا کہ فوراً وہ تعلیم چھوڑ وادی۔

## قرآن کے مکاتیب میں جدید تعلیم کا نقصان

ایسے ہی بعض مکاتب میں بھی یہ جنون ہے جو اصل میں موضوع تھے قرآن شریف کے لئے مگر ان میں بھی تاریخ اور جغرافیہ داخل کرلیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ قرآن کی تعلیم نہیں ہوتی پہلے قرآن شریف پڑھا لو پھر جو چاہو سو کرنا یہ خلط ٹھیک نہیں اور تعلیم نسواں کا فیصلہ ایک میری ہی رائے پر نہیں ہے بلکہ ایک جنٹ صاحب نے بھی اس پر تقریر کی تھی جو مسلمان تھے اور عالم بھی تھے انہوں نے تعلیم کی بہت حمایت کی اور کہا کہ تعلیم کو میں نے اپنے خاندان کے لئے عام کیا ہے مگر عورتوں کے لئے صرف مذہبی تعلیم کو اختیار کیا ہے خیر یہ گفتگو تو طرداً آ گئی(۲)۔

## الفاظ لکھنے بولنے میں احتیاط لازم ہے

اس کتاب کا قصہ یہ ہے کہ میں نے جو اس کو دیکھا تو اس کے پہلے ہی ورق میں یہ مضمون نکلا کہ مسلمانوں نے عجیب بات سیکھی ہے الفاظ تو دیکھئے کس قدر

(۱) اس کو ماننے میں کوئی تردد نہ ہو (۲) ضمناً آ گئی۔

موحش ہیں یہ لفظ کہ ''مسلمانوں نے'' کس مطلب کو ادا کر رہا ہے اس سے پایا جاتا ہے کہ متکلم مسلمان نہیں ہے۔

جیسے کسی مسلمان صاحب بہادر نے لوگوں سے کہا تھا عید کا دن تھا لوگ ان سے ملنے گئے تو کہا ''وَیل آج تم لوگوں کا عید ہے بڑی خوشی کا بات ہے'' ان کے ان الفاظ سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ وہ ان میں داخل نہ تھے ایسے ہی مسلمانوں کا لفظ بتاتا ہے کہ متکلم ان میں شریک ہونا نہیں چاہتا۔

## دو کتابوں پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ

خیر وہ بی بی لکھتی ہیں کہ مسلمانوں نے عجیب بات سیکھی ہے کہ ہر کام کے لئے بس دعا کرتے ہیں ہمت نہیں کرتے اللہ میاں ان کے جواب میں کہتے ہیں کہ مجھے کیوں تنگ کیا مجھے کچھ اور کام بھی ہے میں نے تمہیں سب سامان دے دیا کرو اور کھاؤ۔ میرے پاس وہ کتاب فخریہ بھیجی گئی تھی اور مقصود تھا کہ کچھ تعریف میں بھی لکھ دوں میں نے یہ تعریف لکھ دی کہ اس کتاب میں کفریہ کلمات بھرے ہوئے ہیں۔

ایک اور بی بی کا ایک رسالہ میرے پاس آیا اس میں کچھ اور واہیات تو نہ تھی صرف اتنی بات تھی کہ مصنفہ نے اس میں اپنا نام اور پتہ صاف صاف لکھا تھا کیا ہوگیا کہ لوگوں کے مذاق ہی بدل گئے غیرت کہاں گئی عورت کا نام اور پتہ لکھنا غیرت کے بالکل خلاف ہے ہمارے یہاں قصبات میں تو رواج ہے کہ درزی سے زنانے کپڑے نہیں سلواتے اور مرد دھوبی سے زنانے کپڑے نہیں دھلواتے یہ ناجائز نہ سہی مگر غیرت اور شرم کی بات تو ضرور ہے اور غور فی النتائج سے ناجائز بھی کہا جائے تو کیا بعید ہے (۱) اس سے بڑے بڑے واقعات ہوتے ہیں عورت کی تو ہر چیز

(۱) اس کے انجام پر غور کر کے اگر ناجائز بھی کہیں تو کچھ بیجا نہیں۔

عورت ہے، خیر اس رسالہ کا مضمون تو اچھا تھا صرف اتنی بات تھی کہ مصنفہ نے اپنا نام ونشان پورا لکھا تھا میں نے اس پر تقریظ لکھی مگر یہ چاہا کہ تقریظ ہی میں اس نام و نشان کا لکھنے کا پورا انسداد کردوں چنانچہ میں نے یہ کیا کہ وہ نام کاٹ کر تو یہ لکھ دیا کہ ''راقمہ ایک اللہ کی بندی'' (۱) اور تقریظ میں یہ الفاظ لکھے کہ یہ کتاب مجھ کو پسند ہے خاص کر اس کا یہ التزام کہ مصنفہ نے اپنا نام نہیں لکھا اب اگر وہ میری تقریظ چھاپیں گی تو نام نہ لکھنا ضرور ہوگا۔ اور نام لکھیں گی تو میری تقریظ درج نہ ہوگی۔ خدا جانے یہ کیا خبط ہے کہ مصنفہ کا نام اور پتہ تحریر ہو اس کا مطلب تو یہ ہے کہ ہم سے خط و کتابت بھی ہوسکتی ہے تعلیم جدید کی حمایت تو بہت کی جاتی ہے مگر مفاسد دیکھ لیجئے باوجود ان مفاسد کے علماء اس کے طرفدار کیسے ہوسکتے ہیں یہ حکایت تو درمیان میں آ گئی مقصود پہلی حکایت تھی کس قدر خرافات ہے کہ دعا سے منع کیا اور ایسے الفاظ کے ساتھ کہ'' خدا کہتا ہے مجھے کیوں تنگ کیا''۔ قطع نظر مضمون غلط ہونے سے گفتگو کا طریقہ ایسا ہے خدائے تعالیٰ کی عظمت کہاں گئی۔ کفر ہے یہ اعتقاد حق تعالیٰ کی نسبت کہ تنگ کردیا۔

## حق تعالیٰ کسی بات سے تنگ نہیں ہوتے

غرض حق تعالیٰ کسی بات سے تنگ نہیں (تنگ ہونے کے لفظ پر یہ قصے درمیان میں آ گئے تھے) حدیث میں ہے: ((لَوَاَنَّ اَوَّلَکُمْ وَاٰخِرَکُمْ وَاِنْسَکُمْ وَجِنَّکُمْ وَرَطْبَکُمْ وَیَابِسَکُمْ اِجْتَمَعُوْا فِیْ صَعِیْدٍ وَاحِدٍ ثُمَّ سَأَلُنِیْ کُلَّ مَا اَرَادَ مَا نَقَصَ مِنْ مُلْکِیْ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ)) (۲) پھر کیا وسوسہ ہے توبہ کے قبول ہوجانے

(۱) اس کو ایک اللہ کی بندی نے تحریر کیا (۲) اگر اول سے لے کر آخر تک سارے جن وانس اور خدا کی ساری مخلوق مل کر بھی مجھ سے سوال کریں تو میری حکومت اور میری رحمت کے خزانے میں مچھر کے پر کے برابر بھی کمی نہیں ہوگی'' الترغیب والترھیب: ۲/۴۶۶۔

میں اور اس کی گنجائش کہاں رہی کہ توبہ بار بار ٹوٹے گی تو کہاں تک معافی ہوگی وہاں کا تو قانون ہی یہ ہے ''صد بار اگر توبہ شکستی باز آ''(۱) توبہ کرو اور گناہوں کے چھوڑنے کا پختہ ارادہ کرلو۔

## عظیم کوتاہی

یہ بڑی کوتاہی ہورہی ہے جس میں میں بھی مبتلا ہوں کہ توبہ نہیں کرتے اور اعمال صالحہ کا ارادہ کرتے ہیں اعمال صالحہ میں بے شک نور ہے مگر معاصی کی ظلمت (۲) اس کو دھند لا کر دیتی ہے توبہ کرکے چار پانچ ہی دن میں دیکھو گے کہ طاعت کا نور محسوس ہوگا معصیت اور عدم توبہ کا اثر یہ ہے (۳) کہ طاعت میں ظلمت آجاتی ہے یہی وجہ ہے کہ ہم لوگ اعمال کرتے ہیں مگر کسی قسم کی نورانیت محسوس نہیں ہوتی معصیت وہ چیز ہے جس سے ظلمت ضرور پیدا ہوتی ہے اہل ادراک کو اس کا احساس فوراً ہوتا ہے۔

## گناہوں کا نقصان

یہاں پر دو قصے میں عرض کرتا ہوں ایک میں ثبوت ہے معصیت میں اثر واقعی ہونے کا اور ایک میں ثبوت ہے اس اثر کے ادراک کا، پہلا قصہ یہ ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے غزوہ احد میں پشت دی (۴) جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے پھر اللہ تعالیٰ نے معافی دلادی اس وقت اس پورے قصے کا بیان مقصود نہیں صرف وہ جزو عرض کرتا ہوں جو میرے مقصود کے متعلق ہے وہ یہ ہے کہ اس پر یہ آیت اتری: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْکُمْ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا

(۱) سو بار اگر توبہ توڑی ہے پھر بھی باز آجاؤ (۲) گناہوں کا اندھیرا (۳) گناہ اور توبہ نہ کرنے کا اثر (۴) پیٹھ موڑی۔

كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴾(۱)

یعنی جن لوگوں نے پشت دی اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو شیطان نے ڈگمگا دیا بوجہ ان کی بعض خطاؤں کے اس سے ثابت ہوا کہ خطاؤں سے ان پر شیطان کا یہ اثر ہوا تھا کہ ہمت ہار دی اور پشت پھیری، یہاں غور کرنا ہے کہ وجہ پشت پھیرنے کی ضعف قلب ہوتا ہے وہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں ضرور پیدا ہوا اور اس کے پیدا ہونے کی علت خدائے تعالیٰ نے ﴿بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا﴾ فرمائی یعنی گناہوں کی وجہ سے پیدا ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینا امر مامور بہ اور طاعت تھا اس سے محرومی ہوئی۔

## نیکی کا فائدہ

اس کے ساتھ دوسرا مقدمہ بھی ملائیے کہ: (( اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ ))(۲) یعنی توبہ کے بعد گناہ کا اثر نہیں رہتا آیت مذکورہ کے ساتھ اس مقدمہ کے ملانے سے یہ نتیجہ اچھی طرح نکلتا ہے کہ: ﴿بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا﴾ کا اثر اس حالت میں ہوا کہ توبہ نہیں ہوئی تھی تو اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ طاعت پر بھی اثر معصیت کا ہوتا ہے لیجئے یہ بات قرآن شریف سے ثابت ہوگئی کیونکہ سب جانتے ہیں کہ صحابہ طاعت سے کسی وقت بھی غافل نہ تھے لیکن بوجہ ﴿بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا﴾ کے وہ طاعات نور سے خالی تھیں جن سے قوت قلب نہ پیدا ہوئی میں نے یہ بھی دعویٰ کیا تھا وہ نص سے ثابت ہوگیا اس قصہ سے تو ثبوت ہوا اثر فی الواقع کا۔ ادراک اثر کا ثبوت اس میں نہیں ہے کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ بات محسوس نہ ہوئی کہ یہ نتیجہ کس بات کا ہے جب وحی آئی تب معلوم ہوا کہ یہ نتیجہ بعض خطاؤں کا ہے۔

(۱) ''یقیناً تم میں سے جن لوگوں نے پشت پھیر دی تھی جس روز کہ دونوں جماعتیں باہم مقابل ہوئیں اس کے سوا اور کوئی بات نہیں ہوئی کہ ان کو شیطان نے لغزش دے دی ان کے بعض اعمال کے سبب سے اور یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرما دیا'' سورۂ: آل عمران: ۱۵۵ (۲) گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔

## گناہوں کے اثر کا احساس

اور ایک قصہ ادراک اثر معصیت کے متعلق عرض کرتا ہوں کتاب عوارف المعارف میں ہے کہ ایک بزرگ نے چاہا کہ خلوت میں اللہ اللہ کروں ذکر کرنے بیٹھے مگر لا الہ الا اللہ زبان سے نہ نکلتا تھا دل منقبض ہوگیا اور زبان بستہ ہوگئی(۱) عجیب بات ہے ہم کو کبھی یہ بات پیش نہیں آتی حالانکہ دن رات گناہ کرتے ہیں اللہ والوں کے ساتھ معاملہ ہی اور ہوتا ہے راز اس میں یہ ہے کہ وہ ذکر کے ساتھ حضورِ قلب بھی چاہتے ہیں اور حضورِ قلب خطا کے ساتھ جمع نہیں ہوتا تو اس کے ساتھ ان کی زبان بھی بند کردی جاتی ہے تاکہ وجہ بند ہونے کے سمجھ میں آجاوے، انہوں نے دُعا کی منکشف کردیجئے کہ کیا خطا ہوئی اور لرز گئے اور کانپ گئے یہ حالات ہیں اہل اللہ کے اہل ظاہر کیا جانیں کیا گزرتی ہے۔

اے ترا خارے بپا نشکستہ کہ دانی کہ چیست حال شیرانے کہ شمشیر بلا بر سر خورند(۲)

تردد اس وجہ سے زیادہ ہوتا ہے کہ حالات مشتبہ ہوتے ہیں کسی حالت کی نسبت یہ تعین کرلینا مشکل ہے کہ یہ حالت بُری ہے یا اچھی۔

## مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا حال

کبھی بستگی زبان کا سبب محمود ہوتا ہے(۳) ابھی حال کا قصہ سناتا ہوں جس سے حیرت ہوگی اور یہ بھی معلوم ہوگا کہ اہل اللہ کی نظر کس قدر گہری ہوتی ہے ہمارے حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں ایک بار مولانا محمد قاسم صاحب اور

(۱) زبان جام ہوگئی (۲) ''تمہارے پاؤں میں تو کانٹا بھی نہیں چبھا تم ان لوگوں کی حالت کیا جانو جن کے سروں پر بلا اور مصیبت کی تلوار چل رہی ہے'' (۳) کبھی زبان کے بند ہونے کا سبب اچھا ہوتا ہے۔

بھی بہت سے شاغلین ابتدائی تعلیم کے زمانہ میں حاضر تھے سب لوگ حضرت سے اپنے حالات کہتے اور حضرت اس پر کچھ ارشاد تلقین فرماتے تھے مگر مولانا (۱) کوئی حال نہ بیان کرتے۔ ایک دفعہ حضرت (۲) نے خود پوچھا کہ آپ کچھ حال نہیں کہتے تو مولانا رونے لگے اور کہا ؎

تہی دستانِ قسمت راچہ سود از رہبر کامل (۳)

حال کیا کہوں وہ تو درکنار مجھ سے ذکر تک بھی نہیں ہوتا جب بیٹھتا ہوں زبان جیسے جکڑ جاتی ہے اور قلب پر ایسا بوجھ ہوجاتا ہے کہ بارہ تسبیح بھی پوری نہیں ہوسکتیں (۴) حضرت نے بالبدیہہ (۵) فرمایا مبارک ہو یہ حالت ثقل وحی کا نمونہ ہے ان شاء اللہ علوم نبوت سے آپ کو حصہ ملے گا یہ وہ زمانہ تھا کہ مولانا نے علوم وحقائق میں ایک سطر بھی نہیں لکھی تھی اس وقت کونسا ظاہراً قرینہ ایسا موجود تھا جس سے اندازہ کیا جاسکے کہ اس کی تعبیر یہ ہے اور ایسا ہونے والا ہے، یہ شیخ کامل کا کام تھا یہ قصہ درمیان میں اس پر آگیا تھا کہ بعضے حالات بظاہر مذموم ہوتے ہیں اور درحقیقت محمود جیسے یہ مولانا کی حالت تھی اور اس کا عکس بھی ہوتا ہے کہ کوئی حالت بظاہر محمود ہو اور درحقیقت مذموم ہو۔ ایسے موقع پر بصیرت کی ضرورت ہے اہل اللہ اس واسطے ڈرتے ہیں اور محمود حالات میں بھی اطمینان نہیں کرتے۔

## آدابِ دُعا

خیر وہ بزرگ ذکر کرنے بیٹھے مگر کلمہ زبان سے نہ نکلا تو انہوں نے سوچا کہ مجھ سے کیا قصور ہوا۔ سوچنے کے لفظ پر ایک اور حکایت یاد آئی اہل اللہ کسی

(۱) مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ (۲) حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے (۳) جس کی قسمت ہی خراب ہو اس کو راہنمائے کامل سے کیا فیض پہنچے گا (۴) دو تسبیح لا الہ الا اللہ ۔ چار تسبیح الا اللہ اور چھ تسبیح اللہ اللہ کی ایک تسبیح اللہ اکبر یہ تیرہ تسبیح ہیں لیکن دوازدہ تسبیح یعنی بارہ تسبیح کہلاتی ہیں جو سالکین کو مشائخ عام طور پر پڑھنے کا ابتدائی درجہ میں حکم دیتے ہیں (۵) فوراً جواب دیا۔

وقت بے کار نہیں رہتے ہر وقت اپنے حالات کی نگرانی رکھتے ہیں۔ ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ کہیں چور پکڑے جارہے تھے یہ بھی کہیں وہاں موجود تھے یہ بھی پکڑ لئے گئے انہوں نے دل میں سوچا کہ یا اللہ میں نے کیا قصور کیا جو چوروں میں داخل کرلیا گیا۔ الہام ہوا کہ تم نے دعا مانگی تھی کہ ایسا سامان کردیجئے کہ مجھے دو روٹی اِس وقت اور دو روٹی اُس وقت مل جایا کریں اور عافیت کو نہیں کہا تھا سو ہم نے اس کا سامان کردیا۔ اب دو روٹی اِس وقت اور دو روٹی اُس وقت مل جایا کریں گی انہوں نے توبہ کی کہ یا اللہ غلطی ہوئی اپنی رحمت سے معاف کردیجئے توبہ کا کرنا تھا کہ حاکم کا پروانہ پہنچا کہ فلاں شخص رہا کیا جاوے وہ بے قصور ہے ان لوگوں کو دعا میں بھی ادب سکھلایا جاتا ہے۔ یہ قصہ سوچنے کے متعلق یاد آ گیا۔

## گناہ کا وبال اور توبہ کا اثر

ان بزرگ نے سوچا کہ یہ کس بات کا وبال ہے کہ کلمہ زبان سے نہیں نکلتا الہام ہوا کہ فلاں دن ایک کلمہ دین کے خلاف بطور اِستہزاء(۱) تم نے کہا تھا آج یہ اس کی ظلمت ہے بس گر پڑے سجدے میں اور زار زار(۲) رونے لگے بس کلمہ زبان پر جاری ہوگیا توبہ کا یہ اثر ہے اور گناہ کا یہ اثر ہے کہ نوارنیت تو کہاں بعض اوقات توفیق بھی نہیں ہوتی طاعت کی، اور ایک تیسرا اثر اور ہے گناہ کا وہ یہ کہ ایک گناہ سے دوسرا گناہ پیدا ہوتا ہے طاعت کی نورانیت گئی اور اس طاعت سے محرومی ہوئی اور اس پر بھی بس نہیں اس گناہ کی بدولت اور گناہ پیدا ہوتے ہیں گناہ سے بچنے کی ہمت نہیں رہتی۔

وقت زیادہ جاچکا ہے اس واسطے میں بیان کو مختصر کرتا ہوں۔ اتنی تقریر سے یہ تو معلوم ہوگیا ہوگا کہ توبہ کی کس قدر ضرورت ہے حق تعالیٰ نے بہت جگہ اس

(۱) بطور مذاق (۲) بے تحاشا رونے لگے۔

کی تصریح بھی فرمائی ہے اور اس حکایت کے سننے سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ گناہ کس قدر بُری چیز ہے کہ بلا اس سے توبہ کئے عبادات کالعدم ہوتی ہیں (۱) اور کوئی اثر ان کا نہیں پیدا ہوتا اور قرآن سے بطور استنباط بھی اس کی ضرورت ثابت ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا۔ اور حدیث ((لَا یَزْنِی الزَّانِیُ حِیْنَ یَزْنِی وَھُوَ مُؤْمِنٌ )) موجود ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ گناہ اس قدر شدید چیز ہے کہ ایمان کو بھی کھو دیتا ہے یہ اگرچہ مبالغہ ہے اور معنی حقیقی مراد نہیں یعنی زنا سے کفر نہیں ہوتا اور ایمان سے خروج نہیں ہوجاتا اور احکام ارتداد کے جاری نہیں ہوتے جیسا کہ یہ بحث کتب فن میں مبسوط ہے (۲) اور بقدرِ ضرورت میں نے بھی اس کو بیان کردیا۔

## بغیر توبہ اعمال میں برکت نہیں ہوتی

تاہم زنا کے ساتھ ایمان کا جمع نہ ہونا کسی معنی کر تو حدیث میں ہے ہی وہ یہی ہے کہ کمالِ ایمان اور نورانیت ایمان جاتا رہتا ہے اس سے گناہ کی شدت جیسی کچھ ثابت ہوتی ہے ظاہر ہے اور کشف سے اور وجدان وغیرہ سے بھی ثابت ہے کہ بلا توبہ کے اعمال میں برکت نہیں ہوتی تو کیسے افسوس کی بات ہے کہ اعمال میں محنت تو پوری کی جاوے مثلاً نماز کے لئے نیند چھوڑ کر اٹھا جاوے وضو کیا جاوے بہت سے کاموں کا حرج کیا جاوے لیکن ثمرہ حاصل نہ ہو یعنی ثمرہ کامل، اور اگر ناقص حاصل ہوا تو کیا ہوا کیونکہ کالعدم ہے (۳) اور یہ نتیجہ کا ہے کا ہے (۴) ذرا سی فروگذاشت کا کہ اعمال سے قبل توبہ نہ کرلی (۵)۔

(۱) اس گناہ سے توبہ کئے بغیر عبادت مثل نہ ہونے کے ہوتی ہے (۲) فن حدیث وفقہ میں تفصیل سے اس مسئلہ کو بیان کیا گیا ہے (۳) اس کا کوئی اعتبار نہیں (۴) یہ کس بات کا نتیجہ ہے (۵) ذرا سی غفلت کا نتیجہ ہے کہ عمل سے پہلے توبہ نہیں کی۔

## توبہ کا اہتمام

عقلمند سے تو یہ بات بہت بعید ہے کہ جب کام کرے اور محنت اتنی ہی کرے جتنی سے بدرجہ اکمل اس کا ثمرہ حاصل ہوسکتا ہے اور ایک ذراسی بات کو نظر انداز کر کے محنت رائیگاں کردے اس بات کو ضرور کرنا چاہیئے اور اہتمام کے ساتھ کرنا چاہیئے تا کہ اس محنت کی راحت پا کر دل تو خوش ہو۔ مجھے مقصود تھا ثابت کرنا اس بات کا کہ اول الاعمال توبہ ہے اور بحمداللہ وہ ثابت ہوگیا صاحبو! سارے کاموں کے ساتھ اس کا بھی اہتمام کیجئے کہ روز توبہ کیا کیجئے۔

## نفس کی نگرانی کی ضرورت ہے

اول تو اہتمام کیجئے اس کا کہ گناہ ہی نہ ہوں اور حتی الامکان پوری نگرانی کیجئے نفس کی کہ گناہ نہ کرنے پاوے اور کبھی اس کی باگ ڈھیلی نہ کیجئے وہ اپنے کام سے کسی وقت غافل نہیں ہے اس کو کبھی مردہ نہ سمجھئے تجربہ کر لیجئے کہ کیسا ہی نفس کسی بات میں آپ کے قابو میں آ گیا ہو مگر جب ذرا ڈھیل دی جاوے گی تو پھر شرارت سے نہ چوکے گا آپ کو چاہیئے کہ آپ بھی ایسے ہی مستعد اور ہوشیار رہیں کہ کبھی اس کی نگرانی سے نہ چوکیں (۱) اور اس کا اہتمام رکھیں کہ گناہ نہ ہونے پاوے۔ پھر اس کے ساتھ اسکا بھی اہتمام کیجئے کہ اور توبہ کیجئے۔

## توبہ کی اجازت کی قدر کیجئے

کیونکہ بعض وقت گناہ اسی طرح سے ہو جاتا ہے کہ خبر بھی نہیں ہوتی اور اس کو غنیمت سمجھئے کہ حق تعالیٰ نے ایک سبیل ایسی بھی رکھ دی ہے جس سے وہ گناہ

(۱) کبھی اس کی نگرانی سے غافل نہ ہوں۔

مٹ جاتا ہے اس کی قدر جب معلوم ہوتی کہ یہ سبیل حق تعالیٰ نے نہ رکھی ہوتی۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ جب گناہ ایک دفعہ ہوگیا تو وہ لازم ذات ہوگیا کہ مٹ ہی نہیں سکتا اور جب آدمی مرتا تو دیکھتا کہ نامہ اعمال میں وہ رخنے (۱) موجود ہیں جن کا خیال بھی نہ تھا اور اب یہ ہے کہ سو دفعہ گناہ ہوجاوے بے خبری میں یا خبر کی حالت میں بلکہ قصداً بھی کرو اور توبہ کرلو بس وہ ندارد ہوا۔ یہ انعام کس درجہ قابلِ قدر ہے اب تو چاہیئے کہ بلا گناہ کئے بھی آدمی توبہ کرلیا کرے احتیاطاً ہی سہی اس میں حرج ہی کیا ہے۔

## توبہ کا طریقہ

اب رہا کہ توبہ کا طریق کیا ہے۔ سو حدیث میں وارد ہے اور اس طریق سے توبہ کامل درجہ کی ہوتی ہے وہ یہ کہ دو رکعت نفل پڑھو پھر حق تعالیٰ سے دعا مانگو کہ اے اللہ میرے گناہوں کو معاف کردیجئے دیر تک حق تعالیٰ کے سامنے الحاح وزاری کرو۔ (۲) رونا نہ آوے تو رونے کی صورت بنا کر مانگو اس پر وعدہ حق تعالیٰ کا ہے کہ توبہ کو قبول کرتے ہیں: ﴿ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ ﴾ اور ایک آیت میں اس سے بھی زیادہ بلیغ لفظ ہے: ﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ ﴾ (۳) خوب سمجھ لیجئے کہ حق تعالیٰ کا وعدہ جھوٹا نہیں ہے۔

## گناہ اور توبہ کی اقسام

اور ایک بات اور سمجھ لیجئے کہ گناہوں میں تفصیل ہے اور ان کے اعتبار سے توبہ کے طریق میں بھی تفصیل ہے وہ یہ کہ گناہ دو قسم کے ہیں حقوق اللہ اور

---

(۱) وہ رکاوٹیں موجود ہیں (۲) اللہ کے سامنے رو اور گڑگڑاؤ (۳) ''اور وہی ہے جو قبول کرتا ہے توبہ اپنے بندوں کی''۔

حقوق العباد قسم ثانی بلا صاحبِ حق سے معاف کرائے معاف نہیں ہوتے توبہ کے قبول ہونے کا وعدہ ہونے کا یہ مطلب نہ سمجھو کہ کسی کا مال مارلیا اور نماز پڑھ کر توبہ کرلی اور چھوٹ گئے، مالی حقوق ادا کروتب ہی معاف ہوں گے۔

## قرض کے بعض احکام

اور اگر ایسا اتفاق ہوا کہ بضرورت قرض لیا تھا پھر اس کے ادا کرنے کی گنجائش نہیں ہوئی تو حق تعالیٰ قلب کو دیکھتے ہیں اگر نیت میں فتور نہیں ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ جتنی گنجائش ہوتی ہے ادا کردیتا ہے یہ نہیں کہ حلوے اور مٹھائیاں اڑاؤ اور جب قرض مانگا جاتا ہے تو جواب دے دو کہ ہے نہیں، نہیں بلکہ ایک روپیہ کا حلوا کھاؤ تو ایک کو قرض میں بھی دے دو تو اگر نیت سالم ہے تو امید ہے کہ جو ادا ہونے سے رہ گیا ہوگا وہ قیامت کے دن معاف کردیا جائے۔

## حقوق العباد کی معافی کی صورت

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے ایک روایت لکھی ہے کہ مومنین سے حق تعالیٰ قیامت کے دن حقوق باہمی کی معافی اس طرح کرائیں گے کہ صاحب حق کو بڑے بڑے محل جنت کے دکھلائے جائیں گے اور کہا جاوے گا کہ اگر تم اپنے بھائی کا حق معاف کردو تو تم کو یہ محل ملیں۔ پھر کون ہے کہ معاف نہ کردے دیکھئے حقوق العباد وہ چیز ہیں کہ جنت میں جانے سے مانع ہوں گے کہ تاوقتیکہ ان سے سبکدوشی نہ ہوجاوے (۱) جنتی شخص بھی جنت میں نہ جاسکے گا اور ان کو حق تعالیٰ براہ راست خود معاف نہ کرینگے بلکہ صاحب حق سے اس ترکیب سے معاف کروائیں گے یہ بھی محض رحمت ہے۔

(۱) جب تک ان حقوق سے رہائی نہ ہوجائے۔

## غیر مالی حقوق العباد کی معافی کی صورت

اور بعض حقوق العباد غیر مالی ہیں ان میں کوئی چیز ادا کرنے کی نہیں ہے ہاں اس کی ضرورت ہے کہ صاحب حق سے معافی حاصل کرو اس کی خوشامد درآمد کر کے یا اس کے ساتھ سلوک کر کے یا گڑگڑا کر یا جس طرح ممکن ہو اس صورت میں اگر آپ نے اپنے امکان بھر کوشش کر لی (۱) اور وہ معاف نہیں کرتا تو اب وہ گنہگار ہے بعض لوگ ایسے سنگدل اور بے رحم ہوتے ہیں کہ قصوروار کا قصور کسی طرح معاف ہی نہیں کرتے اور اسی کو فخر اور شان سمجھتے ہیں کہ وہ خوشامد کر رہا ہے اور ان کی ناہاں نہیں ہوتی یہ تکبر ہے، سمجھ لینا چاہیئے کہ تم بھی خدائے تعالیٰ کے قصوروار ہو کہیں تمہارے ساتھ بھی یہی معاملہ نہ کیا جاوے کہ تم معافی چاہو اور معافی نہ دی جاوے تب کیا ہوگا۔

غرض حقوق العباد اگر حقوق مالیہ ہیں تو ان سے توبہ یہ ہے کہ ان کو ادا کیا جاوے یا معاف کرایا جاوے اور اگر حقوق مالیہ نہیں ہیں تو ان سے توبہ یہ ہے کہ صاحب حق سے معاف کرایا جاوے۔

## حقوق اللہ کی معافی کی صورت

اور قسم اول یعنی حقوق اللہ میں تفصیل یہ ہے کہ وہ دو قسم ہیں۔ منہیات یعنی وہ امور جن سے منع کیا گیا ہے اور مامورات جن کو طاعات بھی کہتے ہیں یعنی وہ امور جن کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ان کے نہ کرنے سے گناہ ہوتا ہے ان میں سے قسم اول تو توبہ کرنے سے معاف ہو جاتے ہیں مثلاً کوئی شراب پیتا ہے یا زنا میں مبتلا ہے پھر توبہ کر لے تو یہ سب معاف ہو جاتے ہیں اور قسم دوم یعنی طاعات

(۱) اپنی قدرت کے بقدر۔

اگر رہ گئیں تو ان کے لئے صرف توبہ کافی نہیں بلکہ ان کو ادا کرنا چاہیئے اور اگر ادا کرتا رہا مگر کچھ رہ گئیں تو امید ہے کہ حق تعالیٰ معاف کردیں گے۔

## نماز روزہ کا فدیہ

اور بعض کا فدیہ بھی دینا چاہیئے جیسے روزے کسی کے ذمہ رہ گئے یا نمازیں کچھ رہ گئیں تو وصیت کر جانی چاہیئے جیسے حج اگر رہ گیا تو ضروری ہے کہ حجِ بدل کے لئے وصیت کر جاوے اور اگر نہ فدیہ ہوسکا نہ وصیت کا موقع ملا مثلاً مرگ مفاجات ہوگئی (۱) تو حق تعالیٰ معاف کرنے والے ہیں مگر اپنی طرف سے فدیہ اور وصیت کی فکر اور عزم سے غفلت نہیں ہونی چاہیئے۔

یہ تفصیل ہے بطورِ کلی اقسام گناہ کی اور توبہ کی۔

## کفارۂ غیبت

اور گناہ کی ایک جزئی خصوصیت کے ساتھ بھی قابل بیان ہے جس سے غفلت بہت شائع ہے وہ گناہ غیبت ہے اس کا ایک کفارہ استغفار بھی ہے مگر یہ جب ہے کہ جس کی غیبت کی گئی ہے وہ مل نہ سکے ورنہ اُس سے معاف کراؤ۔

## معاصی لا علاج نہیں

غرض معاصی کیسے ہی خطرناک ہوں (۲) مگر لاعلاج نہیں کسر ہے تو ہمت کی ہے۔

---

(۱) اچانک موت ہوگئی (۲) گناہ کیسے ہی خطرناک ہوں۔

## ابقاءِ توبہ کی تدبیر

یہ جو کچھ بیان ہوا طریقہ ہے احداثِ توبہ کا یعنی توبہ کرنے کا۔ اس کے بعد ضرورت ہے ابقاء توبہ کی سو اس کی تدبیر یہ ہے کہ تھوڑی دیر مراقبہ کیا جاوے عذاب الٰہی کا اور اس کے لئے میں وہ وقت بتاتا ہوں جو بالکل فاضل ہے تاکہ آپ کے کسی کام میں بھی حرج نہ ہو وہ سونے کا وقت ہے جب آپ سونے کو لیٹتے ہیں تو معاً نہیں سو جاتے بلکہ کچھ دیر لوٹنے پوٹنے کے بعد نیند آتی ہے(۱) یہ بے کار وقت اس کام میں لگائیے کہ عذاب الٰہی کا تصور کیجئے۔

## مراقبہ عذاب

اور اپنے دن بھر کے گناہوں کو یاد کیجئے اور سوچئے کہ مجھ سے ان گناہوں کی باز پرس ہوگی تو کیا جواب دوں گا اور یہ عذاب تیار ہوگا تو اس سے نجات کیونکر ہوگی، اس سے خوف پیدا ہوگا اور توفیق ہوگی توبہ کی بس توبہ کر کے سو جایئے، پھر صبح کو یہ یاد رکھئے کہ رات حق تعالیٰ سے یہ عہد کیا تھا اور نگرانی رکھئے کہ اس کے خلاف نہ ہونے پاوے اگلے دن رات کو پھر ایسا ہی کیجئے کہ اگر دن میں کچھ عہد شکنی ہوگئی ہے تو عذاب الٰہی کو یاد کر کے اس سے توبہ کیجئے اور صبح کو پھر یاد رکھئے، غرض اسی طرح چند روز کیجئے دیکھیں تو کب تک توبہ ٹوٹتی ہے اور کیسے ابقاء توبہ نہیں ہوتا۔

بقدر ضرورت توبہ پر بحث ہوگئی اور توبہ کی ضرورت اور شرط اور کیفیت اور احداث اور ابقاء سب کا بیان ہوگیا۔

اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ حقائق کا انکشاف اور ہمت عمل کی عطا فرمادیں۔(۲)

وصلی اللّٰہ تعالیٰ وسلم علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ اجمعین

(۱) کچھ دیر کروٹیں بدلنے کے بعد نیند آتی ہے (۲) اللہ تعالیٰ اس وعظ سے مستفید ہونے والے تمام احباب کو توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

خلیل احمد تھانوی

۱۶/جنوری ۲۰۱۱ء